ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ
ستمبر ۲۰۲۴ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اِسلام میں پردے کے اَحکام

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ علیہ

ختمِ نبوّت کا منطقی اور لازمی نتیجہ

حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

داعی رجوع الی القرآن / بانی تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

کی شہرۂ آفاق پزیرائی اور مقبولیت کے بعد اب پیش ہے:

مختصر
بیانُ القرآن
ترجمہ مع منتخب حواشی

امپورٹڈ میٹ پیپر ❁ مضبوط مراکو جلد ❁ 1248 صفحات

~~4500/-~~ روپے کے بجائے
صرف -/2200 روپے میں

فری ہوم ڈیلیوری کے ساتھ

رمضان پیکج کے تسلسل میں

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)
maktaba@tanzeem.org 0301-1115348

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَمِیۡثَاقَہُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ بِہٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۫ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 73

شمارہ : 9

ربیع الاوّل 1446ھ

ستمبر 2024ء

فی شمارہ : 50روپے

سالانہ زرِتعاون : 500روپے

مُدیر
حافظ عاکف سعید

مجلسِ ادارت:
ایوب بیگ مرزا‘ خورشید انجم

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:
حافظ محمد زاہد‘ محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن‘ لاہور 54700 ‘ فون: 3-35869501

ای میل: maktaba@tanzeem.org‘ 0301-1115348

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارُالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: (042)35473375-78

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5

ختمِ نبوّت فیصلہ کے پچاس سال
اور سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ — خورشید انجم

بیانُ القُرآن 9

سُورۃُ الضحٰی + سُورۃُ الانشراح — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ و تبصرہ 21

اسلام میں پردے کے احکام
(دریو این او کا سوشل انجینئرنگ پروگرام (۲) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

منبر و محراب 47

ختمِ نبوّت کا منطقی اور لازمی نتیجہ — حافظ عاکف سعید

ظروف و احوال 55

سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ
تحفظات‘ ابہامات‘ انحرافات اور ان کے ازالے کی حکمتِ عملی — ادارہ

مذاہبِ عالم 67

اسرائیل وصہیون مخالف ناطوری یہود — محمود الحسن عالمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ختمِ نبوّت فیصلہ کے پچاس سال اور سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ

آج ایک طرف تو ہم اللہ تعالیٰ کے اس عظیم احسان پر ہدیہ شکر بجالاتے ہیں کہ ٹھیک پچاس سال پہلے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو پاکستان کی پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب اتفاق ہے کہ اس فیصلہ میں عوام، تمام سیاسی جماعتیں بشمول حزبِ اقتدار، حزبِ اختلاف اور تمام مذہبی جماعتیں متفق تھیں اور کسی بھی جماعت یا گروہ نے اس کے خلاف رائے نہیں دی۔ البتہ قادیانیوں نے یہ فیصلہ دل سے تسلیم نہیں کیا اور اپنے مذموم عزائم مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ فیصلہ سرد خانے میں جا کر غیر فعال ہو جائے۔ حالیہ مبارک ثانی کیس بھی ان کے مذموم ارادوں کی ایک مثال ہے۔

مبارک ثانی نامی قادیانی ۲۰۱۹ء میں ایک بدنام زمانہ کتاب کو تقسیم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا، جس کو قادیانی ''تفسیرِ صغیر'' کا نام دیتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید کے تحریف شدہ ترجمہ کے ساتھ قادیانیوں کے گمراہ عقائد پر مبنی تشریح کی گئی ہے۔ اس کتاب پر ۲۰۱۶ء میں حکومت پنجاب نے پابندی عائد کر دی تھی۔ پھر ۲۰۱۹ء میں بھی اس کے خلاف ہائی کورٹ میں ایک پٹیشن دائر ہوئی، جس پر جسٹس شجاعت علی خان نے بڑا واضح فیصلہ دیا تھا کہ کوئی غیر مسلم قرآن مجید کا نہ تو ترجمہ شائع کر سکتا ہے اور نہ ہی قرآن کا کوئی حصہ۔ اس کے باوجود بھی قادیانی باز نہیں آئے۔ دو دن بعد ہی انہوں نے چناب نگر (جسے قادیانی ربوہ کہتے ہیں) میں پروگرام کیا اور وہاں اس کتاب کو دوبارہ تقسیم کیا گیا۔ اس پر ان کے خلاف ایف آئی آر درج کروانے کی کوشش کی گئی لیکن حکام بالا کی طرف سے اس میں رکاوٹ ڈالی گئی۔ یہاں تک کہ ۶ دسمبر ۲۰۲۲ء میں

جا کر پنجاب کے شہر چنیوٹ کے تھانہ چناب نگر میں مبارک ثانی سمیت پانچ افراد کے خلاف مقدمہ درج ہوا۔ مدعی کے مطابق ممنوعہ تفسیر کی تقسیم کا یہ عمل تعزیراتِ پاکستان کی دفعات ۲۹۵ بی، ۲۹۸ سی اور قرآن ایکٹ کی خلاف ورزی ہے۔ ایف آئی اے کی فرانزک رپورٹ کے مطابق یہ متنازع تفسیر جہاں جہاں تقسیم ہوئی اور جہاں جہاں اَپ لوڈ ہوئی اس کا ذمہ دار مبارک ثانی تھا۔ ۷ جنوری ۲۰۲۳ء کو ملزم کی گرفتاری ہوئی۔ اس کے بعد ایڈیشنل سیشن جج نے کیس کی سماعت کی اور ۱۰ جون ۲۰۲۳ء کو ملزم کی ضمانت خارج کر دی۔ اس کے بعد کیس لاہور ہائی کورٹ میں گیا اور ۲۷ نومبر ۲۰۲۳ء کو اس نے بھی ملزم کی ضمانت خارج کر دی۔ معاملہ سپریم کورٹ پہنچا تو اعلیٰ عدالت نے ۶ فروری ۲۰۲۴ء کو فیصلہ سناتے ہوئے نہ صرف مبارک ثانی کو پانچ ہزار روپے کے مچلکوں کے عوض فوراً ضمانت پر رہا کرنے کا حکم جاری کر دیا بلکہ اُس کے خلاف مقدمہ سرے سے ہی ختم کر دیا۔ پھر یہ کہ بعض آیاتِ قرآنی سے غلط استدلال کرتے ہوئے گویا قادیانیت کے لیے چور دروازہ کھولنے کی کوشش کی گئی۔ یہ فیصلہ اس قدر جلد بازی میں کیا گیا کہ مدعی کے وکیل کا موقف سننے کی بھی زحمت گوارا نہ کی گئی۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ مجھے ایک دن کی مہلت دی جائے تاکہ میں تیاری کر سکوں لیکن چیف جسٹس کی سربراہی میں دو رکنی بنچ نے ان کو بھی جھڑک دیا اور صرف قادیانی وکیل کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ دے دیا۔

۶ فروری ۲۰۲۴ء کے اس غیر منصفانہ فیصلہ کے خلاف مسلمانانِ پاکستان میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور تمام مذہبی جماعتوں، دینی حلقوں اور اہلِ علم و دانش نے اس فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے نظر ثانی کا تقاضا کیا۔ دینی جماعتوں کی جانب سے نظر ثانی کے لیے باقاعدہ درخواست دی گئی اور یہ موقف اختیار کیا گیا کہ عدالت نے ایف آئی آر یا فردِ جرم میں شامل دفعات کو رائٹ آف اور سٹرائیک آف کرتے ہوئے فیصلہ دیا ہے۔ ایف آئی آر میں ''پنجاب ہولی قرآن پرنٹنگ اینڈ ریکارڈنگ ایکٹ ۲۰۱۱ء'' کی دفعات ۷ اور ۹ کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ فردِ جرم میں آرٹیکل ۲۹۵ بی اور ۲۹۸ سی کا حوالہ دیا گیا تھا لیکن عدالتِ عظمیٰ نے ان تمام دفعات کو نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ دیا ہے۔ درخواست میں یہ بھی کہا گیا کہ فیصلے کے دوسرے حصے میں چیف جسٹس نے آئین کے آرٹیکل ۲۰ اور ۲۲ کی جو تشریح کی ہے، اس میں سقم موجود ہیں۔ ان آرٹیکلز میں مذہبی آزادی کے حوالے سے جو بات کی گئی ہے وہ قادیانیوں کے لیے نہیں ہے۔ تیسری بات درخواست میں یہ بھی شامل کی گئی تھی کہ چیف جسٹس صاحب نے جن قرآنی آیات کا

حوالہ دیا وہ موقع و محل کے مطابق نہیں ہیں۔ اس کے بعد سپریم کورٹ نے تمام مکاتب فکر کے ۱۰ بڑے اداروں سے آراء مانگیں۔ قرآن اکیڈمی لاہور سمیت چھ اداروں نے متفقہ write-up جمع کروایا۔ ۲۴ جولائی ۲۰۲۴ء کو سپریم کورٹ کے تین رکنی بنچ نے نظر ثانی کی درخواست مسترد کرتے ہوئے ملزم کی ضمانت برقرار رکھنے کا فیصلہ سنایا جس پر دینی حلقوں میں ایک بار پھر اضطراب پھیل رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ فیصلہ آئینی اور قانونی تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دیا گیا ہے۔

متنازعہ فیصلے میں ایک بار پھر وہی موقف اختیار کیا گیا ہے کہ مذہبی آزادی کا بنیادی حق آئین، قانون اور امنِ عامہ سے مشروط ہے۔ حالانکہ آئین کے آرٹیکل ۲۰ اور ۲۲ کے مطابق مذہبی آزادی ان کے لیے ہے جو قانون، آئین اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کو مانیں۔ قادیانی تو پہلی شق پر ہی عمل نہیں کرتے۔ وہ اس قانون کو نہیں مانتے جس میں ان کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔ آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ کی شق ۳ اے میں مسلمان کی تعریف جبکہ ۳ بی میں قادیانی کی تعریف موجود ہے۔ قادیانی خود کو اقلیت نہیں مانتے بلکہ وہ مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر دھوکا دے رہے ہیں۔ لہٰذا مذہبی آزادی کا قانون ان پر لاگو نہیں ہوتا اور نہ ہی مذہبی آزادی والے آرٹیکل میں ان کا ذکر ہے۔ عدالتی فیصلے کے مطابق سپریم کورٹ کے سامنے اس کیس میں دو سوالات تھے۔ پہلا تو ملزم کی جانب سے ضمانت بعد از گرفتاری کی درخواست تھی۔ دوسرا معاملہ فردِ جرم سے مختلف جرائم کو حذف کرنے کی درخواست تھی۔ پہلے سوال کے جواب میں عدالت نے لکھا کہ آئین پاکستان کا آرٹیکل ۱۲ واضح ہے کہ کسی کو بھی کسی ایسے جرم کی سزا نہیں دی جا سکتی جسے کرتے وقت وہ کام کسی قانون کے تحت جرم کی تعریف میں نہ ہو۔ سپریم کورٹ نے فیصلے میں لکھا کہ چوں کہ ''تفسیرِ صغیر'' ۲۰۱۹ء میں تقسیم کرنا جرم نہیں تھا، اس لیے ''پنجاب اشاعت قرآن قانون'' کے تحت ملزم کے خلاف فردِ جرم عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔

چیف جسٹس صاحب کو معلوم ہوگا کہ قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء میں بنا ہے، جس میں سزا تین سال اور جرمانہ ۲۰ ہزار روپے تھا۔ ۲۰۲۱ء میں اس قانون میں معمولی سی ترمیم کر کے سزا بڑھائی گئی اور جرمانہ ایک لاکھ روپے کر دیا گیا۔ قرآن بورڈ گورنمنٹ کا ادارہ ہے، جس کے تحت جب تک رجسٹریشن نہ کروائی جائے، قرآن کا کوئی بھی نسخہ یا تفسیر شائع نہیں کی جا سکتی۔ غیر مسلم کو

تو اس کی بالکل بھی اجازت نہیں ہے۔ پاکستان کے آئین کے مطابق قادیانی غیر مسلم ہے، لہٰذا اس کو کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے؟ سپریم کورٹ نے ملزم کے خلاف دیگر دو الزامات یعنی توہینِ قرآن اور خود کو مسلمان ظاہر کرنا کے حوالے سے کہا کہ نہ تو ایف آئی آر اور نہ ہی پولیس کے چالان میں ان کے حوالے سے کوئی ذکر ہے۔ اس وجہ سے عدالت نے دونوں دفعات فردِ جرم سے حذف کرنے کا فیصلہ کیا۔ درحقیقت ایف آئی آر میں پنجاب ہولی قرآن پرنٹنگ اینڈ ریکارڈنگ ایکٹ ۲۰۱۱ کا حوالہ دیا گیا تھا جس کی دفعہ ۷ میں بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے کہ قرآن مجید کے جو مسلّمہ تراجم اور تفاسیر ہیں ان سے ہٹ کر کوئی تحریف شدہ ترجمہ، تفسیر یا قرآن کا کوئی حصہ شائع کرے گا تو اس ایکٹ کی دفعہ ۹ کے تحت اس کو باقاعدہ سزا ہوگی۔ پھر یہ کہ فردِ جرم میں ۲۹۵ بی اور ۲۹۸ سی کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ ۲۹۵ بی کے مطابق اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قرآن مجید کے کسی حصہ یا ترجمہ میں تحریف کرتا ہے اور اس کو شائع کرتا ہے تو اسے تین سال سے تاحیات قید ہو سکتی ہے۔ ۲۹۸ سی کے مطابق قادیانی، احمدی یا لاہوری گروپ خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی اسلامی شعائر کو اپنا سکتے ہیں، نہ اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی کتابوں کو قرآن کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کو اسلام نہیں کہہ سکتے اور نہ ملعون مرزا قادیانی کے لیے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ سکتے ہیں۔ قادیانیوں کو قرآن کی تفسیر کرنے کا بھی حق حاصل نہیں ہے تو پھر عدالت انہیں مذکورہ تفسیر شائع اور تقسیم کرنے کی اجازت کس طرح دے سکتی ہے؟

سب سے خطرناک بات یہ کہ نظر ثانی درخواست کے اس فیصلہ میں سپریم کورٹ نے قادیانیوں (جنہیں نہ جانے کیوں ہر مقام پر احمدی لکھا گیا ہے) کو مذہبی آزادی اور گھر کی خلوت کے نام پر اپنے گھروں، عبادت گاہوں اور نجی اداروں کے اندر تحریفِ قرآن اور توہینِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اجازت دے دی ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر قائم کیا گیا تھا اور اسلام کا عملی نفاذ ہی اس کا مستقبل ہے۔ مقاصدِ شریعت میں شرطِ اوّل حفاظتِ دین ہے۔ دین کی حفاظت کا محور کتاب اللہ اور ناموس رسالت مآب ﷺ ہیں۔ اگر مذہبی آزادی کے دلفریب نعرہ کے نام پر تحریفِ قرآن اور اہانتِ رسول ﷺ کی گھر اور گراؤنڈ کی خلوت میں اجازت دی گئی تو شریعتِ اسلامیہ کے تمام مقاصد ہی فوت ہو جائیں گے۔ (باقی صفحہ 20 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الضُّحٰی

تمہیدی کلمات

سورۃ الضحیٰ کے شانِ نزول سے متعلق مختلف روایات میں جو تفصیل ملتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے بعثت میں حضورﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ جاری رہا اور پھر اچانک رُک گیا۔ جب یہ وقفہ زیادہ طویل ہوا تو اس کا علم آپؐ کے مخالفین کو بھی ہو گیا۔ (واضح رہے کہ یہ وقفہ اس وقفے کے علاوہ تھا جو پہلی وحی کے بعد آیا تھا اور جس کا ذکر سیرت کی کتابوں میں عام طور پر ''فترتِ وحی'' کے نام سے ملتا ہے۔) ظاہر ہے حضورﷺ ہر نئی وحی کا کلام لوگوں کو سناتے تھے۔ جب آپؐ نے کافی دنوں تک لوگوں کو قرآن مجید کا کوئی نیا حصّہ نہ سنایا تو لوگ سمجھ گئے کہ نزولِ وحی کا سلسلہ رک گیا ہے۔ کچھ روایات میں اس کی وضاحت یوں بھی آئی ہے کہ اس دوران علالتِ طبع کے باعث آپؐ چند راتوں تک قیام اللیل کے لیے نہ اُٹھ سکے تو ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل، جس کا مکان حضورﷺ کے مکان سے متصل تھا، آ کر کہنے لگی کہ مَیں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے! بہرحال مشرکین کو جب معلوم ہوا کہ نزولِ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے تو انہوں نے آپؐ کو طعنے دینے شروع کر دیے کہ محمد (ﷺ) کو خدا تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے اور وہ اس سے ناراض ہو گیا ہے۔

یہ کیفیت خود حضورﷺ کے لیے بھی بے حد پریشان کن اور ناقابلِ برداشت تھی۔ وحی آپؐ کی روح کی غذا تھی۔ ہر نئی وحی سے آپؐ کی روح کو تازگی ملتی تھی۔ اس کے علاوہ آپؐ کو بار بار یہ خیال بھی آتا تھا کہ شاید مجھ سے کہیں کوئی خطا ہوئی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے۔ لوگوں کے طعنے اس کے علاوہ تھے۔ حضورﷺ کا فرمان ہے کہ اس دوران شدید رنج و غم کی وجہ سے کبھی کبھی میرا جی چاہتا تھا کہ مَیں کسی پہاڑ پر چڑھ کر خود کو نیچے گرا دوں۔ بہرحال اس

پس منظر میں یہ سورت نازل ہوئی اور اس کی آیت ۳ میں خصوصی طور پر آپؐ کو تسلی دی گئی کہ آپؐ کے رب نے نہ تو آپؐ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ آپؐ سے ناراض ہوا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ روحانی انقباض کی کیفیت میں اس سورت کا پڑھنا تریاق کا درجہ رکھتا ہے۔ تصوف کی زبان میں قبض یا انقباض انسان کی اس روحانی کیفیت کا نام ہے جب اس کی طبیعت میں ناامیدی اور بندش سی آ جاتی ہے اور اسے ہر معاملے کا تاریک و منفی رخ ہی سوجھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان کی مثبت روحانی کیفیت کو تصوّف کی اصطلاح میں ''بسط'' کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کی وہ روحانی کیفیت ہے جس میں اسے اپنی طبیعت میں انشراح محسوس ہوتا ہے اور ہر معاملے کا روشن اور مثبت پہلو نظر آتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے نفسیاتی طور پر انسان کے مزاج کے دو رخ ہیں۔ کبھی انسان کی طبیعت ہشاش بشاش اور ہنسنے کھیلنے پر آمادہ ہوتی ہے اور کبھی وہ غمگین و افسردہ ہوتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَ
لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿۴﴾ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ
فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا
فَہَدٰی ۪﴿۷﴾ وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡہَرۡ ؕ﴿۹﴾
وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡہَرۡ ؕ﴿۱۰﴾ وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ٪﴿۱۱﴾

آیت ۱ ﴿وَالضُّحٰی ①﴾ ''قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی۔''

آیت ۲ ﴿وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ②﴾ ''قسم ہے رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔''

رات میں اندھیرا اور سکون ہے جبکہ دن اُجالے اور حرکت کا مظہر ہے۔ ان دو آیات میں رات اور دن کی متضاد خصوصیات کو اس فرمان پر بطور شہادت پیش کیا گیا کہ:

آیت ۳ ﴿مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ③﴾ ''آپؐ کے ربّ نے آپؐ کو رخصت نہیں کیا اور نہ ہی وہ آپؐ سے ناراض ہوا ہے۔''

یعنی وحی کے تسلسل میں یہ وقفہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ سے ناراض ہو گیا ہے،

بلکہ یہ وقفہ ہماری حکمت ومشیت کا حصّہ اور آپؐ کی تربیت کا جز و تھا۔ ظاہر ہے نظامِ کائنات میں دن کے اُجالے کے ساتھ رات کی تاریکی کا وجود بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ جس طرح دن کے بعد رات کا آنا ضروری ہے اسی طرح نفسِ انسانی کے لیے بسط وکشاد کی لذت کے ساتھ ساتھ ’’انقباض‘‘ کی کیفیت سے آشنا ہونا بھی ضروری ہے۔

آیت ۴ ﴿وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ﴿۴﴾﴾ ’’اور یقیناً بعد کا وقت آپؐ کے لیے بہتر ہوگا پہلے سے۔‘‘

یعنی اس وقفے اور ’انقباض‘ کی کیفیت کے بعد آنے والی اب ہر گھڑی اور ہر ساعت آپؐ کے لیے ’انبساط‘ اور انشراح کا نیا پیغام لے کر آئے گی۔ ان آیات میں انقباض وانبساط کے حوالے سے جو اصول بیان ہوا ہے اس کی حیران کن حد تک درست ترجمانی غالب نے اپنے مصرع میں کی ہے: ع ’’رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور!‘‘ یعنی اشعار کی آمد کے حوالے سے کبھی کبھی مجھ پر انقباض کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے‘ لیکن جب اس وقفے کے بعد دوبارہ آمد شروع ہوتی ہے تو پھر میری طبیعت کی روانی پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ گویا انقباض کے بعد جب انبساط کا مرحلہ آتا ہے تو انسان اپنی پہلی کیفیت کے مقابلے میں ایک درجہ آگے جا چکا ہوتا ہے۔

[اس آیت مبارکہ سے یہ مفہوم بھی متبادر ہوتا ہے کہ ’’یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپؐ کے لیے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے‘‘۔ آپؐ پر آپؐ کے رب کے لطف وکرم اور انعام واحسان کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر آنے والا وقت گزشتہ حالات سے بہتر سے بہتر ہوگا۔ اس ایک جملہ میں کفار کے طعن وتشنیع اور الزام تراشیوں کا بھی سدِّباب کر دیا گیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے بارے میں بھی نوید جانفزا سنا دی گئی۔]

آیت ۵ ﴿وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ﴿۵﴾﴾ ’’اور عنقریب آپؐ کا رب آپؐ کو اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔‘‘

یعنی اب بہت جلد آپ ﷺ کی محنتوں کے ایسے ایسے نتائج آپؐ کے سامنے آئیں گے کہ انہیں دیکھ کر آپؐ خوش ہو جائیں گے۔ (۱)

۱۔ علامہ سید محمد آلوسی ؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ◄

یہاں پر پچھلی سورت کی آخری آیت کے یہ الفاظ بھی ذہن میں تازہ کر لیں: ﴿وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی ﴿۲۱﴾﴾ گویا جو خوشخبری یہاں حضور ﷺ کو سنائی جا رہی ہے وہی بشارت سورۃ اللیل میں حضرت ابوبکر ؓ کو دی گئی ہے۔ دونوں آیات کا اسلوب اصلاً ایک سا ہے‘ صرف ضمیر اور صیغے کا فرق ہے۔ حضور ﷺ پر چونکہ وحی آتی تھی اس لیے آپؐ کو صیغہ حاضر (تَرۡضٰی) میں براہِ راست مخاطب کیا گیا‘ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے لیے غائب کا صیغہ (یَرۡضٰی) آیا ہے۔

’’انقباض‘‘ کی مذکورہ کیفیت کے سیاق وسباق میں اب اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر اپنے احسانات جتا رہا ہے۔ یہ بھی دراصل حضور ﷺ کے لیے تسلی ہی کا ایک انداز ہے۔ جبکہ اس میں ہمارے لیے بھی راہنمائی ہے کہ جب کسی وقت آدمی پر ڈپریشن اور افسردگی کی کیفیت طاری ہو تو اسے چاہیے کہ اس کیفیت میں وہ خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو گن گن کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ کس کس انداز میں اس کی مدد کرتا رہا ہے اور کیسی کیسی مشکلات سے اسے نجات دلاتا رہا ہے۔ ظاہر ہے ماضی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد کرنے سے ایک پریشان حال آدمی کا حوصلہ بڑھتا ہے اور اس کی مثبت سوچ کو تحریک ملتی ہے۔

آیت ۶ ﴿اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ﴿۶﴾﴾ ’’کیا اُس نے نہیں پایا آپؐ کو یتیم‘ پھر پناہ دی!‘‘

یہ آیات سیرت النبی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے حوالے سے بھی بہت اہم ہیں۔ حضور ﷺ کے والد آپؐ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے‘ چنانچہ آپؐ پیدا ہی یتیمی کی حالت میں ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ کا سہارا بھی چھن گیا۔ دادا نے اپنی کفالت میں لیا تو دو سال بعد وہ بھی چھوڑ کر چلے گئے۔ تایا زبیر بن عبدالمطلب سرپرست بنے تو کچھ عرصہ بعد ان کا

◄ (ترجمہ) ’’یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام عطیات کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دنیا میں سرفراز فرمایا۔ یعنی کمالِ نفس‘ اولین وآخرین کے علوم‘ اسلام کا غلبہ‘ دین کی سربلندی‘ ان فتوحات کے باعث جو عہد رسالت میں ہوئیں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں یا دوسرے مسلمان بادشاہوں نے حاصل کیں اور اسلام کا دنیا کے مشارق ومغارب میں پھیل جانا۔ نیز یہ وعدہ ان عنایات اور عزت افزائیوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے لیے آخرت کے لیے محفوظ رکھی ہیں‘ جن کی حقیقت اور نہایت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔‘‘ (بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن‘ از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)

بھی انتقال ہو گیا (حضور ﷺ کی کفالت کے حوالے سے آپؐ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب کا ذکر اکثر تاریخی حوالوں میں موجود ہی نہیں۔ ایسا دراصل جناب ابوطالب کے کردار کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے جان بوجھ کر باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے)۔ اس کے بعد جناب ابوطالب نے آپ ﷺ کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور انہی کی سرپرستی میں آپؐ جوانی کی عمر کو پہنچے۔ آیت کے لفظ ''فَاٰوٰی'' میں ان تمام دنیوی سہاروں کی طرف اشارہ ہے جو ظاہر ہے آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے فراہم کیے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہی ان تمام رشتہ داروں کے دلوں میں آپؐ کے لیے محبت اور چاہت پیدا کی تھی۔ اسی نے آپؐ کی شخصیت ایسی بنائی تھی کہ جو کوئی آپؐ کو دیکھتا آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بچپن میں سہارا دیا تھا۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت اور حکمت کا ذکر اس طرح آیا ہے: ﴿وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ﴾ (آیت ۳۹) کہ اے موسیٰ! میں نے آپ پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا تھا' جس کی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ کر متاثر ہو جاتے تھے اور یوں وہ آپ کو قتل کرنے سے باز رہے۔

آیت ۷ ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞۷﴾ ''اور آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو ہدایت دی!''

جب آپ ﷺ شعور کی پختگی کی عمر کو پہنچے اور آپؐ نے کائنات کے حقائق کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپؐ کو راہنمائی فراہم کر دی۔(۲)

۲۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''جب حضرتؐ جوان ہوئے' قوم کے مشرکانہ اطوار اور بے ہودہ رسم وراہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشقِ الٰہی کی آگ سینۂ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایتِ خلق کی اُس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفسِ قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا' اندر ہی اندر جوش مارتا تھا' لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اُس عرش وکرسی سے وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوشِ طلب اور فرطِ محبت میں آپؐ بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوبِ حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے غارِ حرا میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاحِ خلق کی تفصیلی راہیں آپ ﷺ پر کھول دیں' یعنی دینِ حق نازل فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ...الخ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

آیت ۸ ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞۸﴾ ''اور اُس نے آپؐ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا!''

اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ساری دولت آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ حضرت خدیجہؓ بہت مال دار اور صاحبِ حیثیت خاتون تھیں۔ مکّہ کے بڑے بڑے سردار اُنؓ سے نکاح کے خواہش مند تھے' مگر اللہ تعالیٰ نے اُنؓ کا دل آپ ﷺ کی طرف پھیر دیا اور انہوںؓ نے خود آپؐ کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔

گزشتہ آیات میں حضور ﷺ کی زندگی کے تین مراحل کے حوالے سے تین احسانات کا ذکر کرنے کے بعد اب اسی ترتیب سے آپ ﷺ کو تین ہدایات دی جا رہی ہیں:

آیت ۹ ﴿فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞۹﴾ ''تو آپؐ کسی یتیم پر سختی نہ کریں۔''

جیسے آپؐ کی یتیمی میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی کفالت وغیرہ کا بندوبست کیا' اسی طرح اب آپؐ بھی یتیموں کی سرپرستی کریں اور انہیں لوگوں کی زیادتیوں سے بچائیں۔

آیت ۱۰ ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞۱۰﴾ ''اور آپ کسی سائل کو نہ جھڑکیں۔''

ایک وقت تھا جب آپؐ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں تھے اور ہم نے آپؐ کو ہدایت عطا فرمائی تھی۔ اب اگر آپؐ کے پاس کوئی سائل اپنی حاجت لے کر آئے تو اُس کی حاجت روائی کریں اور اسے جھڑکیں نہیں۔ ظاہر ہے سائل بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ کوئی مالی معاونت کے لیے سوال کرتا ہے تو کوئی علم کی تلاش میں لوگوں کے دروازوں پر دستک دیتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞۱۱﴾ ''اور اپنے رب کی نعمت کا بیان کریں۔''

یہ ہدایت جو آپؐ کو عطا ہوئی ہے' یہ آپؐ کے رب کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر کا تقاضا ہے کہ آپؐ اس کی اس نعمت کا چرچا کریں اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پھیلائیں۔ اس حکم میں ہمارے لیے بہت بڑا سبق ہے۔ ہدایت کی نعمت کو اگر انسان اپنی ذات تک محدود کر کے بیٹھ رہے تو اس کا یہ طرزِ عمل بخل کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا جس کسی کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی دولت سے نوازے اسے چاہیے کہ اس خیر کو عام کرے اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ
اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ
یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی
رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ٪﴿۸﴾

آیت ۱ ﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۝۱﴾ ’’کیا ہم نے آپؐ کے لیے آپؐ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟‘‘

یعنی ہم نے آپؐ کا اضطراب کم کر کے آپؐ کے دل کو ایک ٹھہراؤ اور سکون عطا فرما دیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ’’اس میں علوم و معارف کے سمندر اُتار دیے اور لوازمِ نبوت اور فرائضِ رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا۔‘‘

آیت ۲ ﴿وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۝۲﴾ ’’اور ہم نے اُتار نہیں دیا آپؐ سے آپؐ کا وہ بوجھ؟‘‘

آیت ۳ ﴿الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۝۳﴾ ’’جو آپؐ کی کمر کو توڑے دے رہا تھا!‘‘

آیت ۴ ﴿وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ۝۴﴾ ’’اور ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔‘‘(۱)

۱۔ صحیح ابن حبان‘ مسند ابی یعلیٰ الموصلی اور دیگر کُتبِ حدیث میں حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اتانی جبریل فقال : اِنَّ رَبِّیْ وَرَبُّکَ یَقُوْلُ لَکَ : اَتَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ؟ قُلْتُ : اَللّٰہُ اَعْلَمُ۔ قَالَ : اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِی))

’’حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ میرا اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ مَیں نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا ہے؟ مَیں نے جواب دیا:

آیت ۵ ﴿فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۝۵﴾ ’’تو یقیناً مشکل ہی کے ساتھ آسانی ہے۔‘‘

آیت ۶ ﴿اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۝۶﴾ ’’یقیناً مشکل ہی کے ساتھ آسانی ہے۔‘‘

یہ سورت دراصل مشکلات القرآن میں سے ہے۔ آیت ۲ میں جس بوجھ کا ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی مشقتوں اور لوگوں کی طرف سے پہنچائی جانے والی اذیتوں کی طرف اشارہ ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ رائے صرف جزوی طور پر درست ہے‘ اس لیے کہ یہ سورت بالکل ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی۔ اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکلات کا ابھی آغاز ہو رہا تھا اور بعد کے زمانے میں آپؐ کو نسبتاً بہت زیادہ مشکل مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔ مثلاً شعبِ ابی طالب میں تین سال کی قید کا واقعہ اس سورت کے نزول کے بعد پیش آیا اور اس کے بعد ہی آپؐ کو یومِ طائف اور یومِ اُحد جیسے گمبھیر حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ دعوت و تبلیغ اور آپؐ کے فریضۂ رسالت سے متعلقہ مشکلات بھی اس سورت کے نزول کے بعد کم ہونے کے بجائے مزید بڑھیں‘ بلکہ بڑھتی ہی چلی گئیں۔ اس لیے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہاں جس بوجھ کے اتار دینے کا ذکر ہوا ہے وہ اصل میں کوئی اور بوجھ تھا۔

اس بوجھ کی کیفیت کے بارے میں جاننے کے لیے پہلے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو اپنے قربِ خاص کی نعمت سے نوازتا ہے۔ چنانچہ قربِ خاص کی لذّت سے آشنا ہو جانے کے بعد انبیاء و رسل علیہم السلام کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت اسی کیفیت میں گزاریں۔ لیکن وہاں سے حکم ملتا ہے کہ جاؤ خلقِ خدا تک میرا پیغام پہنچاؤ اور انہیں ہدایت کا راستہ دکھاؤ! مثلاً اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر اپنے قُربِ خاص سے نوازا اور آپؑ سے کلام فرمایا تو اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش تو یہی ہوگی کہ وہ سدا اسی کیفیت میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مکالمے اور مخاطبے کی لذت سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ لیکن اس کے فوراً بعد آپؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا: ﴿اِذۡہَبۡ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّہٗ طَغٰی ۝۲۴﴾ (طٰہٰ) ’’اب جاؤ فرعون کی طرف‘ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے!‘‘ ظاہر ہے

اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (آپؐ کے رفع ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ) جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔‘‘ (حاشیہ از مرتّب)

فریضۂ رسالت کی ادائیگی کوئی آسان کام تو نہیں۔ اس بارے میں اصل حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ پیغمبروں کی دعوت کے جواب میں لوگوں کی طرف سے بے اعتنائی برتی جاتی تھی اور طنز و تمسخر کے تیر برسائے جاتے تھے‘ حتیٰ کہ جسمانی اذیت پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا۔ الغرض اس راستے میں تو ہر قدم پر مخالفت اور ہر موڑ پر تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورتِ حال میں پیغمبروں کو دوہری مشکل کا سامنا رہا ہے‘ یعنی ایک طرف قرب و حضوری کی خصوصی کیفیت سے باہر آنے کا ملال اور دوسری طرف لوگوں کے رویے کے باعث دل پر تکدر کا بوجھ۔ کہاں وہ قربِ خاص کا کیف وسرور اور کہاں یہ مشقت بھری مصروفیات۔ روح اور طبیعت کا میلان تو ظاہر ہے اسی طرف ہوگا کہ وہی خلوت ہو‘ وہی حضوری ہو اور وہی کیف وسرور ہو۔ غالبؔ نے اپنی زبان اور اپنے انداز میں محبوب کی قربت کے حوالے سے انسان کی اس کیفیت اور خواہش کی ترجمانی یوں کی ہے: ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت‘ کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے!

اس صورتِ حال یا کیفیت کو علامہ اقبال کے بیان کردہ اس واقعہ کے حوالہ سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ علامہ اقبال اپنے خطبات (چوتھے لیکچر) میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی ؒ دنیا و مافیہا سے بے خبر مراقبے کی کیفیت میں بیٹھے تھے۔ اسی اثنا میں انہیں اقامت کی آواز سنائی دی۔ آپؒ فوراً نماز کے لیے کھڑے تو ہو گئے مگر جھنجھلا کر کہا: ’’حضوری سے نکال کر دربانی میں کھڑا کر دیا!‘‘ اب ظاہر ہے حضوری کی کیفیت میں تو اور ہی لذت تھی جبکہ نماز میں جماعت کا نظم ملحوظ رکھنے کی پابندی ہے اور ہر صورت میں امام کی اقتدا ضروری ہے۔ فرض کریں مقتدی کو تلاوت سننے میں لذت محسوس ہو رہی ہے اور وہ مزید سننا چاہتا ہے لیکن یہاں وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ ظاہر ہے جب امام قراءت ختم کر کے رکوع میں جائے گا تو اسے اس کی اقتدا کرنا ہو گی۔ اگر وہ دیر تک سجدہ میں ہی پڑے رہنا چاہتا ہے تو بھی اسے اپنا سجدہ مختصر کر کے امام کی اقتدا میں سر اٹھانا ہوگا۔

اس تمہیدی وضاحت کو مدّ ِنظر رکھتے ہوئے اب آپ حضورﷺ کی اس کیفیت کا تصور کیجیے جب حضورﷺ رات کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت

کرتے تھے۔ اُس وقت آپؐ کی روح کیسی کیسی قربتوں اور رفعتوں سے آشنا ہوتی ہوگی اور آپؐ کے قلبِ مبارک پر کیسے کیسے انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہوگی۔ پھر صبح کو جب آپؐ اہلِ مکّہ کے درمیان جاکر ان سے شاعر‘ مجنون‘ کذّاب (نعوذ باللہ) جیسے القابات سنتے ہوں گے اور ان کے تمسخر بھرے جملوں کا سامنا کرتے ہوں گے تو آپؐ اپنی طبیعت میں کیسا تکدر اور کیسی کوفت محسوس کرتے ہوں گے۔ چنانچہ حضورﷺ کے لیے اصل معاملہ یہ تھا کہ ’’عروج‘‘ (قربِ خاص) کی لذت کے بعد ’’نزول‘‘ کا مرحلہ آپؐ پر بہت شاق گزرتا تھا۔ اور یہی وہ ’’بوجھ‘‘ تھا جو آپؐ کی کمر کو دوہرا کیے دے رہا تھا۔ البتہ رفتہ رفتہ آپؐ کا مزاج جب اس معمول کا خوگر ہوگیا تو اس بوجھ کے احساس میں کمی واقع ہوتی گئی۔ پھر جب روز بروز اہلِ ایمان کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی تو دعوت وتحریک کی مصروفیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے تسکین کا سامان پیدا فرما دیا۔

بہرحال یہاں پر یہ نکتہ بھی لائقِ توجہ ہے کہ فریضۂ رسالت کی انجام دہی کے لیے عروج اور نزول (ان کیفیات کے لیے صوفیاء کے ہاں ’’سیر اِلی اللہ‘‘ اور ’’سیر عن اللہ‘‘ کی اصطلاحات بھی معروف ہیں) کی دونوں کیفیات کا بیک وقت باہم متوازی چلنا ضروری ہے۔ اس نکتہ لطیف کو مولانا رومؒ نے بارش کی مثال سے بہت مؤثر انداز میں سمجھایا ہے۔ مولانا کی بیان کردہ اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ سمندر سے بخارات کی شکل میں بالکل صاف اور پاکیزہ پانی فضا میں پہنچتا ہے۔ بارش برستی ہے تو یہ صاف پانی فضا کی کدورتوں کو بھی صاف کرتا ہے‘ زمین کی گندگیوں کو بھی اپنے ساتھ بہا کر سمندر میں ڈال دیتا ہے اور اس کے بعد سمندر سے پھر بخارات بن کر صاف اور پاکیزہ حالت میں بارش کے لیے فضا میں پہنچ جاتا ہے۔ اس مثال کو حضورﷺ کی ذاتِ اقدس پر منطبق کرتے ہوئے یوں سمجھیں کہ حضورﷺ کو ’’سیر الی اللہ‘‘ (قیام اللیل اور خلوت کی مناجات وغیرہ) کے ذریعے روحانی ترفع حاصل ہوتا۔ پھر جب آپؐ ’’سیر عن اللہ‘‘ کی صورت میں معاشرے کی طرف رجوع فرماتے تو آپؐ کی رحمت اور روحانیت لوگوں پر بارش کی طرح برستی اور راستے میں آنے والی تمام ظاہری و باطنی آلائشوں اور کدورتوں کو دھو ڈالتی۔ اسی دوران لوگوں کی مخالفت اور گھٹیا حرکات کے باعث آپؐ کی ’’روحانیت‘‘ میں کچھ تکدر بھی پیدا ہوتا‘ جسے ’’سیر الی اللہ‘‘ کے اگلے مرحلے میں صاف کر دیا جاتا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا۔

یہاں ضمنی طور پر یہ نکتہ بھی سمجھ لیجیے کہ نتائج کے اعتبار سے تو دعوت وتبلیغ کی مصروفیات بھی

''سیر الی اللہ'' ہی کے زمرے میں آتی ہیں' لیکن عملی طور پر اس کی کیفیت بظاہر ''سیر عن اللہ'' جیسی ہے۔ جیسے نماز کی حالت میں انسان کا رخ اللہ کی طرف ہوتا ہے لیکن ایک داعی جب نماز سے فارغ ہو کر تبلیغ کے لیے نکلتا ہے تو بظاہر اس کی پشت اللہ کی طرف ہوتی ہے اور رُخ لوگوں کی طرف ہوتا ہے۔

آیت ۷ ﴿فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ⑦﴾ ''پھر جب آپؐ (فرائضِ نبوت سے) فارغ ہو جائیں تو اسی کام میں لگ جایئے۔''

آیت ۸ ﴿وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ⑧﴾ ''اور اپنے ربّ کی طرف راغب ہو جایئے۔''

تو اے نبی ﷺ! جب آپ اپنے فرضِ منصبی سے فارغ ہو جائیں اور اللہ کا دین غالب ہو جائے تو پھر آپ یکسو ہو کر اللہ ربّ العزت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ نوٹ کیجیے! سورۃ النصر میں بھی حضور ﷺ کے لیے بالکل یہی پیغام ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ① وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ② فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ③﴾

یعنی جب غلبۂ دین کے حوالے سے آپؐ کا مشن مکمل ہو جائے تو پھر ہمہ تن' ہمہ وقت آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جایئے گا اور تقرب الی اللہ کے لیے محنت شروع کر دیجیے گا۔ چنانچہ جونہی آپؐ کا مشن پایۂ تکمیل کو پہنچا تو آپؐ نے فوراً محبوب کی طرف مراجعت کا فیصلہ کر لیا (اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی) کہ اے اللہ اب مَیں اپنے فرائضِ منصبی سے فارغ ہو گیا ہوں' اب مجھ میں مزید انتظار کا یارا نہیں! واضح رہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ دنیا میں مزید رہنے یا کوچ کرنے سے متعلق اختیار عطا فرماتا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آخری ایام میں ایک دن جب حضور ﷺ کے مرض میں افاقہ ہوا تو آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے' منبر پر فروکش ہوئے اور خطبہ دیا۔ اس کے بعد منبر سے نیچے تشریف لائے۔ ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر تشریف لے گئے اور چند اہم نصیحتیں فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: ''ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ یا تو دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے وہ جو کچھ چاہے اللہ اُسے دے دے' یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اُسے اختیار کر لے' تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا''۔ یہ بات سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: ''ہم اپنے ماں باپ سمیت آپؐ پر قربان!'' اس پر لوگوں کو

تعجب ہوا کہ حضور ﷺ کیا ارشاد فرما رہے ہیں اور اس پر ابوبکرؓ کیا کہہ رہے ہیں! لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابوبکر صدیقؓ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔

یہاں حضور ﷺ کے اس فرمان کا ذکر کرتے ہوئے میرے دل کی بات زبان پر آ گئی ہے —— وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل سے مجھے حضور ﷺ کے قدموں میں پہنچا دیا تو مَیں حضور ﷺ سے شکوہ کرنے کی جسارت ضرور کروں گا کہ حضور! آپؐ نے بہت جلدی کی...... حضورؐ! مانا کہ ہجر و فراق کا ایک ایک لمحہ آپؐ کے لیے مشکل تھا...... مگر حضورؐ! جو لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے تھے وہ بھی تو آپؐ کے فیضانِ نظر کے محتاج تھے...... حضورؐ! اگر تھوڑا سا وقت ان کو بھی مل جاتا تو...... مہاجرینؓ و انصارؓ کی طرز پر ان کی تربیت بھی ہو جاتی......!!! ❁

بقیہ: حرفِ اوّل

آج پوری قوم' علماء کرام' مشائخ' عوام' تاجر' وکلاء اور تمام مذہبی و سیاسی جماعتیں اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ ۶ فروری اور ۲۴ جولائی ۲۰۲۴ء کے فیصلے آئین اور قانون سے مکمل طور پر متصادم ہیں۔ لہٰذا ان پر نظر ثانی کی جانی چاہیے۔ پارلیمنٹ کی جانب سے بنائی گئی کمیٹی نے سپریم کورٹ کے فیصلوں کو مسترد کرتے ہوئے نظر ثانی کیس دائر کرنے کا فیصلہ صادر کیا تھا۔ کمیٹی کی سفارشات کے باوجود پنجاب حکومت کی جانب سے ایک مبہم سی پٹیشن کا سپریم کورٹ میں دائر کیا جانا بدنیتی کو ظاہر کرتا ہے۔ دراصل ہمارے حکمران غیر ملکی ایجنڈے پر عمل کرتے ہوئے اپنے ہی ملک میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں' جس کی ان کو ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔

ہم تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں بشمول حزبِ اختلاف و حزبِ اقتدار سے گزارش کریں گے کہ اس معاملہ پر سیاسی پوائنٹ سکورنگ نہ کی جائے۔ ماضی میں ایسا ہو چکا ہے کہ اس مسئلہ سے بعض گروہوں اور سیاسی پارٹیوں نے سیاسی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کو حکومت بمقابلہ اپوزیشن مسئلہ بنا دیا جس کے نتیجہ میں یہ حل ہونے کے بجائے لاینحل بن گیا۔

ہم عوام سے بھی درخواست کریں گے کہ یہ معاملہ کسی صورت میں بھی ہنگامہ اور دنگے فساد کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔ اسے لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ نہ بننے دیا جائے' ورنہ یہ قادیانیوں کے جال میں پھنسنے کے مترادف ہوگا اور مسئلہ مزید گمبھیر ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام صاحبانِ حل و عقد کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁

اسلام میں پردے کے احکام
اور
یو این او کا سوشل انجینئرنگ پروگرام (۲)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سورۃ الاحزاب: حکمتِ دین کی چند باتیں

مَیں نے آغاز میں سورۃ الاحزاب کی یہ آیت پڑھی تھی:

﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ﴿۲۱﴾﴾

’’(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے‘ (یہ اُسوہ ہے) ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور آخرت کی اُمید رکھتا ہو اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہو۔‘‘

اس ضمن میں ایک بات غور طلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ مَردوں کے لیے اُسوۂ کامل ہیں۔ مرد اگر سپہ سالار ہے تو آپ ﷺ کا اُسوہ موجود ہے۔ مرد اگر صدرِ ریاست یا خلیفہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ موجود ہے۔ وہ قاضی القضاۃ ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ موجود ہے۔ کوئی کسی مسجد میں خطیب و امام ہے تو آپ ﷺ کا اُسوہ موجود ہے۔ باپ کی حیثیت سے اُسوہ موجود ہے۔ شوہر کی حیثیت سے اُسوہ موجود ہے۔ مَردوں کی کوئی حیثیت ایسی نہیں جس کے لیے اُسوہ حضور ﷺ کی زندگی میں نہ ہو‘ لیکن ایک خلا ہے کہ نسوانی زندگی کے لیے حضور ﷺ کی زندگی میں کوئی اُسوہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے فلسفہ‘ یہ ہے حکمتِ دین کہ اب اس خلا کو کیسے پُر کیا جائے۔ اس کے لیے حضور ﷺ کی ازواج کو خواتین

کے لیے اُسوہ بنایا گیا۔ تعددِ ازدواج میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہوں گی لیکن ایک حکمت یہ بھی ہے۔ سیّدہ عائشہ ؓ کی اتنی کم عمر میں شادی میں بھی یہی حکمت ہے کہ وہ دورِ نبوت کے بعد بھی کافی عرصے تک اُمّت کی راہنمائی کرتی رہیں۔ شوہر اور بیوی کے درمیان خالص نجی معاملات میں ہدایت دیتی رہیں۔ آخر یہ سب بھی انسان کی ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ بعض صحابہؓ نے آکر کہا: حضور ﷺ! یہ یہودی ہم پر طنز کرتے ہیں کہ تمہارے نبی تمہیں نہایت چھوٹی چھوٹی باتوں کا حکم بھی دیتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ان سے کہو کہ ہاں! ہمارے نبی نے تو ہمیں استنجا کرنا بھی سکھایا ہے۔ کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہونے کے بجائے اعتماد سے بات کرو۔ انسانی زندگی میں کیا استنجا ضروری شے نہیں ہے؟ گندگی سے نجات پانا اور طہارت صحت کے لیے ضروری نہیں؟ چنانچہ تعلق زن و شو ایک بڑا مسئلہ ہے۔ انسان روزے میں کس حد تک جاسکتا ہے۔ یہ سب ازواج مطہرات نے بتایا۔ انہیں اُسوہ بنانے کے لیے یہ آیات آئی ہیں۔ یوں سمجھیے کہ اس مسئلے میں یہ تین آیات نچوڑ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿۳۲﴾﴾

’’اے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو‘ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو گفتگو میں نرمی پیدا نہ کرو کہ کسی لالچ میں پڑ جائے وہ شخص جس کے دل میں روگ ہے‘ اور بات کرو معروف انداز میں۔‘‘

ایسا نہ ہو کہ جس شخص کے دل میں کوئی روگ یا گندگی ہے وہ تمہارے اندازِ گفتگو سے کوئی آس لگا بیٹھے۔ کرخت آواز میں بات کرو اور صرف معروف بات کہو۔ اس سے آگے بڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی﴾

’’اور تم اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور مت نکلو بن سنور کر پہلے دورِ جاہلیت کی طرح‘‘

اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو۔ تمہاری اصل جگہ گھر ہے۔ باہر نکلنا تمہارا کام نہیں ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت نکلا جاسکتا ہے‘ جس کا ذکر بعد میں آجائے گا۔ فلسفہ یہ ہے کہ

عورت کی اصل جگہ اس کا گھر ہے۔ اللہ کی طرف سے فرائض کی تقسیم کر دی گئی ہے۔ میں حدیث سنا چکا ہوں کہ جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور پھر اس سے جو فتنے پیدا ہوتے ہیں وہ سب شیطان ہی کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ اسلام کے آنے سے پہلے کا جو دور تھا اس میں عورتیں جس طرح بن سنور کر اور لوگوں کی نگاہوں میں آنے کے لیے نکلتی تھیں‘ اب وہ طریقہ اختیار نہ کرو۔ یہ بھی ایک بڑا نفسیاتی نکتہ ہے۔ مرد کے اندر قوت ہے اور وہ اس کا ظہور چاہتا ہے۔ کبھی جی چاہتا ہے دیوار کو کندھا دے ماروں۔ کبھی راستہ چلتے کسی کو کندھا لگا دیا۔ یعنی قوت اپنا ظہور چاہتی ہے۔ عورت کے پاس سب سے بڑا سرمایہ اس کا نسوانی حسن ہے۔ اس کے اندر ایک urge ہے کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے۔ اس کا نام ہے تبرج۔ بروج کہتے تھے ان برجیوں کو جو فصیلوں کے اوپر ہوتی تھیں۔ دور سے اگر کوئی مسافر آ رہا ہے تو پہلے اسے برجی ہی نظر آتی تھی۔ چنانچہ نگاہوں میں آنا‘ نگاہوں میں کھبنا‘ تبرج ہے۔ فرمایا کہ تم جس طرح پہلے بناؤ سنگھار کر کے نکلا کرتی تھیں (تبرج الجاہلیہ) اب وہ چھوڑ دو۔

﴿وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ﴾

’’اور نماز قائم کرو‘ زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند رہو۔‘‘

اس کے بعد جو الفاظ آئے ہیں وہ اہم ترین ہیں:

﴿اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ﴿ۚ۳۳﴾﴾

’’اللہ تو بس یہی چاہتا ہے اے نبیؐ کے گھر والو! کہ وہ دور کر دے تم سے ناپاکی اور تمہیں خوب اچھی طرح پاک کر دے۔‘‘

اے نبی کی گھر والیو! اللہ یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی برائی اور ناپاکی کو دور کر دے۔ تمہیں خوب خوب پاک کر دے۔ اس لیے کہ تمہیں نمونہ بننا ہے‘ اُسوہ بننا ہے۔ قرآن مجید میں یہ الفاظ اصل میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں آئے ہیں۔ سارا جملہ چل رہا

ہے ’’یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ‘‘ کے خطاب سے۔ ہمارے کچھ دوستوں نے کہا ہے کہ ’’اہلِ بیت‘‘ سے مراد حضرت علی‘ حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔ یقیناً وہ بھی ہیں۔ ایک ٹی وی مذاکرے کے اندر بھی جب یہ حضرات کہہ رہے تھے کہ اہلِ بیت تو اصل میں وہ ہیں‘ تو مَیں نے کہا: نہیں‘ اصل میں قرآن کی رُو سے تو بیویاں ہیں‘ البتہ وہ بھی اہل بیت ہیں۔ اس کی بنیاد امام احمدؒ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان چاروں کو ایک چادر میں لے کر کہا: ((اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ ....)) ’’یا اللہ! یہ بھی میرے اہلِ بیت ہیں۔‘‘ گویا یہ آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کے دائرے کو وسعت دیتے ہوئے فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ((سَلْمَانُ مِنَّا أَھْلَ الْبَیْتِ)) (أخرجه الطبراني والحاكم) ’’سلمان بھی ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں۔‘‘ البتہ قرآن میں یہ لفظ آتا ہے صرف بیویوں کے لیے‘ ازواج کے لیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خبر دینے کے لیے فرشتے آئے تھے‘ تو حضرت سارہؑ یہ سن کر پیشانی پر دوہتڑ مارتے ہوئے کہنے لگیں: ﴿یٰوَیۡلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّہٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا ؕ﴾ (ھود: ۷۲) ’’ہائے میری شامت! کیا اب مَیں بچہ جنوں گی جبکہ مَیں نہایت بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں!‘‘ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس کی تھی‘ اور حضرت سارہؑ بھی نوے پچانوے برس کی تو ہوں گی! اس پر فرشتوں نے کہا تھا: ﴿اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ﴾ ’’کیا آپ تعجب کرتی ہیں اللہ کے فیصلے پر؟‘‘ ﴿رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ﴾ (ھود: ۷۳) ’’اللہ کی رحمتیں اور اُس کی برکتیں ہوں تم پر اے نبیؑ کے گھر والو!‘‘ اہلِ بیت کا لفظ قرآن حکیم میں دو جگہ آیا ہے۔ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہؑ کے لیے‘ یا محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے لیے ’’یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ‘‘ کے صیغہ خطاب سے۔ یعنی اے نبی ﷺ کی بیویو! تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے پوری طرح پاک کرنا ہے تاکہ تم اُمّت کی خواتین کے لیے اُسوہ بن جاؤ۔ اُسوۂ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جو خلا ہے‘ وہ تمہارے ذریعے پورا کرنا ہے۔ ظاہر ہے charity begins at home کہ جو بھی

اصلاح کا عمل ہو وہ گھر سے ہونا چاہیے اور نمبر دو یہ کہ ازواج مطہرات کو ہمیشہ کے لیے اُمّت کی تمام خواتین کا اُسوہ بنانا ہے۔

اسی طریقے سے استیذان کا معاملہ بھی ہے۔ اس کا حکم پہلے صرف نبی ﷺ کے گھروں کے لیے تھا۔ ارشاد ہوا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ ....﴾ (الاحزاب:۵۳)

’’اے اہلِ ایمان! مت داخل ہو جایا کرو نبیؐ کے گھروں میں مگر یہ کہ تمہیں کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے .....‘‘

یہ گھر کی پرائیویسی ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ النور میں آئی ہے۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ پردے کے احکام بتدریج نازل ہوئے جیسا کہ شراب کی حرمت کے احکام بتدریج آئے۔ ستر وحجاب کے احکام کا آغاز سورۃ البقرہ سے ہوا‘ پھر سورۃ النساء‘ سورۃ المائدہ اور سورۃ الاحزاب میں مزید احکام آئے‘ اور ان کا اختتام سورۃ النور میں ہوا ہے۔

سورۃ الاحزاب میں نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں داخلے کے لیے استیذان کے حکم کے بعد فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ﴾

’’اور جب تمہیں ان (نبی ﷺ کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو۔‘‘

یہاں پر ’’حجاب‘‘ کا لفظ آیا ہے‘ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرآن میں حجاب کا کوئی حکم ہے ہی نہیں! وہاں کے گھر کھلے ہوتے تھے‘ ان کے اوپر کوئی پردہ وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔ گھر کوئی کنالوں یا ایکڑوں کے تو نہیں ہوتے تھے‘ چھوٹے چھوٹے گھر تھے۔ البتہ جب یہ آیت اتری تو اس کے بعد سے گھروں کے اوپر پردے ڈال دیے گئے۔ ظاہر ہے کہ ’’مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ‘‘ سے چہرے کا پردہ ہی مراد ہے۔ اسی کو اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ نے ’’آیۃ الحجاب‘‘ قرار دیا۔ اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ﴾

’’یہ طرزِ عمل زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے دلوں کے لیے بھی اور اُن ؓ کے دلوں کے لیے بھی۔‘‘

یہاں اس حقیقت پسندی (realism) کا اظہار کیا گیا ہے جس پر قبل ازیں بات ہو چکی ہے۔ اگر نبی ﷺ کی بیوی تمہارے سامنے بے حجاب آ جائے گی تو وہ اس حیثیت سے تمہاری ماں تو ہے لیکن خلقی اعتبار سے ایک عورت بھی تو ہے۔ اسی طرح تم چاہے صحابی ہو لیکن ایک مرد بھی تو ہو! یہاں مرد اور عورت کے درمیان کشش کی طرف صاف اشارہ کیا گیا‘ اور نبی ﷺ کی بیویوں کو بھی یہ نہیں کہا گیا کہ وہ اس سے ماوراء ہیں۔ نبی کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ ہم تمہیں پوری طرح پاک کر دینا چاہتے ہیں تاکہ تم اُمت کی تمام خواتین کے لیے اُسوہ بن جاؤ۔ فرمایا کہ پردے کی اوٹ سے کوئی شے لینا دینا تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ بات ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم سورۃ الاحزاب کے اندر۔

اس کے بعد اسی سورۃ میں جو لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں‘ جو گھروں میں اجازت لیے بغیر بھی داخل ہو سکتے ہیں‘ جن کے سامنے ازواجِ مطہرات ؓ اپنے کھلے چہرے کے ساتھ آ سکتی تھیں‘ ان کی ایک فہرست دے دی گئی۔ فرمایا:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِیْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۵۵﴾﴾

’’کوئی حرج نہیں اُن (ازواجِ نبیؐ) پر اُن کے باپوں کے معاملے میں‘ اور نہ (کوئی حرج ہے) اُن کے بیٹوں کے بارے میں‘ اور نہ اُن کے بھائیوں کے بارے میں‘ اور نہ اُن کے بھائیوں کے بیٹوں کے بارے میں‘ اور نہ اُن کی بہنوں کے بیٹوں کے بارے میں‘ اور نہ اُن کی جان پہچان کی عورتوں کے بارے میں اور نہ ہی اُن کی مِلکِ یمین کے بارے میں۔ اور (اے نبی ﷺ کی بیویو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔‘‘

سورۃ النور: گھر کے اندر کا پردہ

سورۃ النور کا آغاز ہوا ہے کہ زنا کی حد کیا ہے‘ سزا کیا ہے۔ غیر شادی شدہ زانی یا زانیہ‘ اس کی سزا سو کوڑے۔ اگر کوئی الزام لگائے اور ثبوت پیش نہ کر سکے‘ چار گواہ نہ لا سکے تو قذف کی حد اسی کوڑے ہے۔ اس کے بعد زنا کا سد باب کرنے کے احکام آئے ہیں۔ اس میں سب سے پہلے استیذان کا حکم بہت تفصیل سے آیا۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۲۷)﴾

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو‘ حتیٰ کہ اُن کی رضا معلوم کر لو اور گھر والوں کو سلام کر لو! یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔‘‘

جو لوگ اس قرآنی حکم پر عمل نہیں کرتے ان کے بارے میں حضور ﷺ بہت سخت احکام فرما رہے ہیں۔ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا تو ایک طرف رہا‘ گھر میں تانک جھانک کرنے پر بھی شدید ناراضی کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ انَّ رَجُلًا اطَّلَعَ عَلَيْكَ بغيرِ اذْنٍ، فَخَذَفْتَهُ بحَصاةٍ، فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ ما كانَ عَلَيْكَ مِن جُناحٍ))

(صحیح البخاری: ۶۹۰۲، صحیح مسلم: ۲۱۵۸)

’’اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں بغیر اجازت کے جھانکنے لگے اور تم (اس کی سزا کے طور پر) کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔‘‘

((مَنِ اطَّلَعَ فِي بيتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنٍ ، فَفَقَؤُوا عَيْنَهُ ، فَلَا دِيَةَ لَهُ وَلَا قِصَاصَ)) (صحیح الجامع: ۶۰۴۶)

’’جو شخص بغیر اذن لیے کسی کے گھر میں جھانکنے لگا اور گھر والوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کے لیے نہ کوئی دیت ہے اور نہ قصاص۔‘‘

کسی کے گھر میں تانک جھانک کرنے والے شخص کی آنکھ پھوڑ دینے پر گھر والوں پر کوئی

ہرجانہ نہیں۔ وہ اس عمل کے لیے حق بجانب ہیں۔

اجازت لینے کے لیے حضور ﷺ نے طریقہ بتایا۔ تین مرتبہ پکارنے کی حد مقرر کر دی اور فرمایا کہ اگر تیسری مرتبہ پکارنے پر جواب نہ آئے تو واپس ہو جاؤ۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

﴿وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ﴾ (النور: ۲۸)

’’اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو‘ یہ طریقہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے۔‘‘

اگر تو آپ وقت لے کر کسی کے ہاں آئے ہیں تو بات دوسری ہے‘ لیکن اگر ایسے ہی پہنچ گئے ہیں اور معلوم نہیں وہ اپنی کس مصروفیت میں ہے‘ تو آپ کا حق نہیں ہے کہ وہ آپ کو ریسیو کرے اور آپ سے بات کرے۔ اس پر برا نہ مانو کہ میں آیا تھا اور مجھ سے ملاقات نہیں کی۔

اس حوالے سے ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے اور ’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ‘‘ کہہ کر دو دفعہ اجازت طلب کی‘ مگر اندر سے جواب نہ آیا۔ تیسری مرتبہ جواب نہ ملنے پر آپ ﷺ واپس ہو گئے۔ اب حضرت سعدؓ اندر سے دوڑ کر آئے اور آپ ﷺ سے لپٹ گئے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مَیں آپؐ کی آواز سن رہا تھا اور آہستہ آواز میں سلام کا جواب بھی دے رہا تھا مگر میرا جی چاہتا تھا کہ آپؐ کی زبان مبارک سے ہمارے لیے بار بار سلامتی و رحمت کی دعا نکل جائے۔ یہ ہے استیذان کا معاملہ۔ اب آ رہا ہے اصل حکم:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ (۳۰)﴾

’’(اے نبی ﷺ!) مؤمنین سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ یقیناً اللہ باخبر ہے اُس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔‘‘

﴿وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا

يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا
يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ
اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ
الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا
يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

’’اور مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں‘ اور وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں‘ سوائے اس کے جو اس میں سے از خود ظاہر ہو جائے‘ اور چاہیے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بُکّل مار لیا کریں‘ اور وہ ظاہر نہ کریں اپنی زینت کو (کسی پر) سوائے اپنے شوہروں کے‘ یا اپنے باپوں کے‘ یا اپنے شوہروں کے باپوں کے‘ یا اپنے بیٹوں کے‘ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے‘ یا اپنے بھائیوں کے‘ یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں (بھتیجوں) کے‘ یا اپنی بہنوں کے بیٹوں (بھانجوں) کے‘ یا اپنی (جان پہچان کی) عورتوں کے‘ یا اُن کے جن کے مالک ہیں ان کے داہنے ہاتھ‘ یا ایسے زیر دست مَردوں کے جو اس طرح کی غرض نہیں رکھتے‘ یا اُن لڑکوں کے جو عورتوں کے مخفی معاملات سے ابھی ناواقف ہیں۔ اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی اس زینت میں سے کچھ ظاہر ہو جائے جسے وہ چھپاتی ہیں۔ اور اے اہلِ ایمان! تم سب کے سب مل کر اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ گھر کے اندر کا پردہ ہے۔ گھر کے اندر مرد بھی نگاہیں نیچی رکھیں اور عورتیں بھی۔ یہ کیوں کہا گیا؟ آج مغرب کے اندر محرمات کے ساتھ بدکاری (incest) نہایت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ باپ کا اپنی بیٹی کے ساتھ ملوث ہو جانا‘ ماں کا اپنے بیٹے کے ساتھ ملوث ہو جانا‘ بہن بھائیوں کا آپس میں زنا کاری کرنا‘ یہ بہت عام ہو رہا ہے۔ اس وقت امریکہ میں سب سے زیادہ پریکٹس Psychiatrists کی ہے۔

ان کی بڑی فیسیں ہیں۔ دوائیاں بڑی مہنگی ہیں۔ فارماسوٹیکل انڈسٹری میں بھی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی دوائیں ذہنی امراض کی ہیں۔ وہاں پر مجھ سے کئی Psychiatrists نے کہا کہ ذہنی امراض کا سب سے بڑا سبب زنائے محرم ہے۔ باپ نے بیٹی سے زنا کیا تو بیٹی کے دل پر جو داغ لگ گیا‘ اب اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہتا۔ یہ نہ سمجھیے کہ آپ کے ہاں نہیں ہو رہا‘ یہ وبا یہاں بھی آ چکی ہے۔ اخبارات میں ایسی خبریں آ رہی ہیں کہ بیٹی نے تھانے میں جا کر کہا کہ میرے باپ نے میرے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ یہ ساری چیزیں آج ہمارے ہاں بھی ہو رہی ہیں۔ اس لیے کہ اگر زنا کے داعیات اور ترغیبات پھیلی ہوئی ہوں گی‘ عام ہوں گی تو پھر وہ راستے نکالے گا۔ گھروں میں بھی مرد اپنی نگاہیں نیچی رکھیں کا مطلب یہ ہے کہ باپ بھی اپنی بیٹی کو گھور کر نہ دیکھے۔ بیٹی بھی ایک لڑکی ہے۔ جوان بھائی بھی اپنی بہن کو گھور کر نہ دیکھے‘ نگاہیں نیچی رکھے۔ یہ نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم بازار کے لیے نہیں ہے۔ وہ تو خود کشی ہو جائے گی‘ کوئی گاڑی روند دے گی۔ یہ حکم گھر کے اندر کا ہے‘ اور اس لیے ہے کہ بہر حال باپ ایک مرد ہے جبکہ بیٹی ایک عورت ہے۔ میں نے فرائڈ کی بات بتا دی ہے۔ وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ باپ اگر بیٹی پر محبت بھری نگاہ ڈال رہا ہے تو اس میں جنسی جذبہ کارفرما ہے۔ اگر ماں اپنے بیٹے پر محبت بھری نگاہ ڈال رہی ہے تو یہ بھی شہوت کی وجہ سے ہے۔ اس کا Oedipus Complex نظریہ مشہور ہے۔ اپنی جگہ پر یہ حقیقت ہے کہ باپ مرد ہے اور بیٹی عورت ہے۔ بھائی مرد ہے بہن عورت ہے۔ لہٰذا گھروں کے اندر بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو۔ بہر حال آیت کا سیاق وسباق گھر میں داخلے کے بعد کا ہے‘ یعنی گھر میں داخلہ اجازت سے ہے اور داخلہ ہوگا صرف محرموں کا۔ گھر کے اندر کوئی نامحرم نہیں آئے گا۔

آیت کے اس ٹکڑے پر قیل وقال کیا گیا ہے: ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ ’’وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔‘‘ جدیدیت پسند مفکرین اور دانشور کہتے ہیں اس میں چہرہ بھی شامل ہے‘ اور جب چہرہ شامل ہے تو اس کا مطلب ہے چہرہ کا پردہ نہیں ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! انسٹی ٹیوٹ آف

پالیسی سٹڈیز کے ایک ریسرچ سکالر نے لکھ دیا کہ ''اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنۡھَا'' میں چہرہ شامل ہے' لہٰذا چہرے کا پردہ نہیں ہے اور ارشاد احمد حقانی صاحب نے اس پر زوردار تائید لکھ دی کہ اب تو مسئلہ ہی طے ہو گیا۔ ایک ریسرچ سکالر کہہ رہا ہے تو یہ مولوی ملاٹے جو کہتے ہیں کہ عورت کے چہرہ کا پردہ ہے' یہ تو بات ختم ہو گئی۔ میں نے صرف ایک جواب دیا کہ اس شخص نے (جو بڑا ریسرچ سکالر تھا) پہلے یہ لکھا ہے کہ سورۃ النور کی ان آیات میں ستر کے احکام آ رہے ہیں' تو پھر یہاں چہرے کے پردہ کا معاملہ کیا ہوا' کیونکہ ستر میں تو چہرہ شامل ہی نہیں ہے؟ محرموں سے جو پردہ ہے اس کا نام ستر ہے۔ عورت کا پورا جسم ستر ہے سوائے چہرے کی ٹکیا' ہاتھ اور پاؤں کے۔ یعنی بھائی بھی بہن کے جسم کا کوئی اور حصہ نہیں دیکھ سکتا۔ باپ بھی بیٹی کے جسم کا کوئی اور حصہ نہیں دیکھ سکتا۔ اس سے آگے صرف شوہر ہے یا حسبِ ضرورت طبیب' سرجن۔ بس یہ محرموں کا پردہ ہے۔ گھر میں عورت رہے گی تو ستر کے ساتھ رہے گی۔ چچا اس کا محرم ہے' آئے گا' لیکن چونکہ وہ بھی مرد ہے اس لیے چہرہ تو نہیں ڈھانپے گی لیکن باقی جسم ستر ہے۔ سر پر سکارف ہو' جس کو وہ حجاب کہتے ہیں' حالانکہ وہ حجاب پورا تو نہ ہوا' صرف ایک حصہ ہے' لیکن ستر کے اعتبار سے یہ ایک حصہ صحیح ہے۔ سر کے بال چھپے ہونے چاہئیں' یہ ستر میں شامل ہیں۔ چہرے کی ٹکیا ستر سے باہر ہے۔ نیز ہاتھ ہیں آستینوں سے باہر اور پیر ہیں ٹخنوں سے نیچے' بس۔

﴿وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنۡھَا﴾ میں کیا کیا چیزیں آ سکتی ہیں؟ اگر عورت پوری کی پوری برقعے کے اندر ملبوس ہے' چہرے پر بھی نقاب ہے' آنکھوں کے آگے بھی جالی ہے یا چشمہ ہے تو پھر بھی اس کے حسن کا ایک حصہ ظاہر ہے۔ قد و قامت حسن کا حصہ ہے کہ نہیں؟ وہ کہاں چھپائے گی؟ غالب نے جو شعر کہا ہے:

ترے سروِ قامت سے اِک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں!

اسی طرح جسم سڈول ہے یا اکہرا ہے تو یہ نہیں چھپے گا۔ عورت موٹی ہے یا متناسب اعضاء ہیں' یہ تو نہیں چھپے گا۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو ستر و حجاب کے سلسلے میں ﴿مَا ظَھَرَ مِنۡھَا﴾

کے تحت آتی ہیں۔

﴿وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِھِنَّ ۪﴾ ''اور چاہیے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بُکّل مار لیا کریں''۔ یہ بھی گھر کے اندر کی بات ہو رہی ہے۔ اُس معاشرے میں جلباب ہوتا تھا۔ جب عورت گھر سے باہر نکلتی تھی تو وہ اپنے گرد چادر لپیٹتی تھی' چہرہ نہیں ڈھانپتی تھی۔ سورۃ الاحزاب میں حکم دیا گیا کہ اس جلباب کو نیچے سرکا کر چہرہ چھپائیں۔ خمار ایک طرح کی اوڑھنی ہوتی تھی جو عورتیں گھر میں اوڑھتی تھیں۔ گھر میں جلباب تو نہیں لیا جا سکتا' آخر کام کاج کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ انہیں چاہیے کہ اپنی اوڑھنیوں کے بُکّل اپنے گریبانوں کے اوپر بھی مار لیا کریں' تاکہ سینے کے اُبھار کو ایک ایڈیشنل کور مل جائے۔

ستر کے تقاضے کیا ہیں' گن لیجیے۔ لباس دبیز ہونا چاہیے' باریک نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورتیں جو لباس پہن کے بھی ننگی ہوتی ہیں (کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ) جہنم کا ایندھن بنیں گی۔ (صحیح مسلم) لباس باریک اور چست ہونے کے بجائے ڈھیلا ڈھالا ہونا چاہیے۔ لباس کے یہ دو حصے لازم ہیں۔ اگر ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنا ہوا ہے پھر بھی سینے کے ابھار ظاہر ہو جائیں گے۔ اس لیے ان پر ایک اضافی اوڑھنی سر پر سے لے کر اپنے گریبان کے اوپر بُکّل مار لینا تاکہ نسوانی حسن کے دوسرے مظہر کو چھپایا جائے۔ پہلا مظہر چہرہ ہے جو سب سے بڑا مظہر ہے۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے' تو خدا کے بندو پھر پردے کی ضرورت کیا ہے؟ نسوانی حسن میں کشش (attraction) سب سے بڑھ کر کہاں ہوتی ہے؟ مظہرِ اوّل کون سا ہے نسوانی حسن کا؟ چہرہ ہی تو ہے۔ اب میں ذرا جھجکتے ہوئے شاعری کے کچھ الفاظ آپ کو سنا رہا ہوں۔ یہ لبِ لعلین اور عارضِ گل گوں کہاں ہوتے ہیں؟ چہرے پر ہی ہوتے ہیں نا؟ یہ چاہِ ذقن کہاں ہوتا ہے؟ یعنی ٹھوڑی میں اگر گڑھا سا پڑا ہوا ہو۔ یہ مژگاں کے تیر اور نرگسی آنکھیں کہاں ہوتی ہیں؟ ستواں ناک کہاں ہوتی ہے؟ سب سے بڑی attraction چہرہ ہی تو ہے۔ اسی کو نہ چھپایا تو پھر اور کیا چھپایا! دوسری چیز چھاتی کے ابھار ہیں' جو انسان کے لیے بہت کشش رکھتے ہیں۔ اس کے

لیے یہ ہدایت دی گئی کہ ﴿وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِهِنَّ ۪﴾ کرتا دبیز کپڑے کا ہو‘ ڈھیلا ڈھالا ہو۔ شلوار دبیز تر کپڑے کی ہو‘ ڈھیلی ڈھالی ہو۔ اوڑھنی کی بُکّل اپنے سینے پر مار لی جائے۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ﴾ ’’اور وہ ظاہر نہ کریں اپنی زینت کو (کسی پر) سوائے اپنے شوہروں کے‘‘ ..... یہاں زینت کا لفظ چہرے کے لیے آ رہا ہے۔ چہرے ہی میں کچھ سنگھار بھی ہوتا ہے۔ کوئی سرمہ لگایا ہوا ہے۔ کسی اور طرح کا کوئی زیور گلے میں پہنا ہوا ہے‘ کانوں میں بُندے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چہرہ اور اس کے ساتھ کوئی بناؤ سنگھار کا معاملہ‘ جس کی رسول اللہ ﷺ نے تلقین بھی فرمائی کہ عورت کو گھر میں بن سنور کر رہنا چاہیے۔ یعنی شوہر کے لیے باعث کشش ہو۔ خاص طور پر شوہر جب کام سے واپس گھر آنے والا ہو تو اس وقت عورت بن سنور کر رہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ جتنی بھی انسان میں sexual energy ہے وہ شوہر اور بیوی کے درمیان ہی مرکوز رہے۔ یہ فلسفہ ہے۔ نگاہ اِدھر اُدھر جائے ہی نہ۔ میاں بیوی کے درمیان Bond of love جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی خاندان کا ادارہ مضبوط اور صحت مند ہوگا۔ اولاد کی تربیت کے لیے مثبت ماحول میسر آئے گا۔ عورتوں کے لیے کہا گیا کہ چہرے کی زینت اور اس کے اوپر اگر کوئی بناؤ سنگھار ہے تو اس زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے محرم افراد کے۔

پھر یہاں محرم افراد کی تفصیل آئی ہے۔ محرم صرف وہی ہیں جن سے کبھی کسی حال میں بھی شادی نہیں ہو سکتی۔ بھائی سے کسی حال میں شادی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح باپ‘ دادا‘ چچا سے کسی حال میں شادی نہیں ہو سکتی۔ ماموں سے بھی کسی حال میں شادی نہیں ہو سکتی۔ چچا کے بیٹے سے ہو سکتی ہے‘ وہ نامحرم ہے۔ ماموں اور خالہ کے بیٹے سے ہو سکتی ہے‘ وہ نامحرم ہے۔ عورت اپنی زینت سب سے بڑھ کر تو شوہر کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔ لہٰذا فرمایا: ﴿اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ﴾ ’’سوائے اپنے شوہروں کے۔‘‘ ’’یا اپنے باپوں کے‘‘، باپ حقیقی ہو‘ اخیافی ہو‘ علاتی ہو یا رضاعی ہو‘ یہ چاروں قسم کے باپ اس میں شامل ہیں۔ جس عورت نے دودھ پلایا تھا اس کا شوہر بھی باپ بن گیا۔ ﴿اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ﴾

’’یا اپنے شوہروں کے باپوں کے‘‘ ﴿اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ﴾ ’’یا اپنے بیٹوں کے۔‘‘ بیٹوں میں بھی چاروں آئیں گے: علاتی‘ اخیافی‘ عینی اور رضاعی۔ ﴿اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ﴾ ’’یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے۔‘‘ ہو سکتا ہے شوہروں کی اور بیویاں بھی ہوں تو ان کے بیٹے جو سوتیلے ہیں‘ وہ بھی محرم ہیں۔ ان سے کسی صورت میں کبھی شادی نہیں ہو سکتی۔ ﴿اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ﴾ ’’یا اپنے بھائیوں کے۔‘‘ ﴿اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ﴾ ’’یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں (بھتیجوں) کے۔‘‘ شوہر کا بھتیجا نہیں بلکہ اپنا بھتیجا محرم ہے۔ ﴿اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ ’’یا اپنی بہنوں کے بیٹوں (بھانجوں) کے۔‘‘ اپنا بھانجا محرم ہے‘ شوہر کا بھانجا محرم نہیں۔ ﴿اَوۡ نِسَآئِهِنَّ﴾ ’’یا اپنی (جان پہچان کی) عورتوں کے۔‘‘

جان لیجیے کہ ہر عورت بھی محرم نہیں ہے۔ عورتیں بڑی بڑی کپٹائیں ہوتی ہیں‘ بڑے فتنے اٹھاتی ہیں۔ گھروں کے اندر آتی ہیں اور پھر پیغام رسانی کا ذریعہ بن کر خرابی پیدا کرتی ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم نے مجھے سرسید احمد خان کے بارے میں واقعہ سنایا۔ ابھی ملکہ وکٹوریہ کی حکومت شروع ہوئی تھی‘ اس وقت انگریز کا کتنا رعب ہوگا! یو پی کا لیفٹیننٹ گورنر سرسید سے کہتا ہے کہ میری بیگم آپ کی اہلیہ سے ملنا چاہتی ہے۔ سرسید نے جواب دیا: ہماری عورتوں کا اجنبی عورتوں سے پردہ ہے‘ ہماری عورتیں آپ کی بیگم سے نہیں مل سکتیں۔ اس پر میرا سر جھکتا ہے۔ دینی اور مذہبی اعتبار سے وہ بہت سخت آدمی تھے۔ ان کی داڑھی کو دیکھیے اور سوچیے۔ نماز کے پکے پابند‘ اور پکے اہلِ حدیث‘ کٹر رفع الیدین کرنے والے۔ سید نذیر حسین دہلوی اہل حدیث حضرات کے شیخ الکل کہلاتے ہیں لیکن وہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے کہ فتنہ کا وقت ہے‘ لوگ ہم سے دور ہو جائیں گے۔ ہم سے ملیں گے ہی نہیں تو پھر تبلیغ کیسے ہوگی۔ سرسید نے ان سے مباحثہ کیا کہ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں! چنانچہ انہوں نے مجبور ہو کر رفع الیدین شروع کر دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ سرسید نے تفسیر قرآن لکھ کر خواہ مخواہ ایک بہت بڑا فتنہ شروع کیا جو ابھی تک انڈے بچے دے رہا ہے۔ وہ میرا اس وقت کا موضوع نہیں ہے۔

﴿اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُنَّ﴾ ’’یا جو اُن کے داہنے ہاتھوں کی ملکیت ہو‘‘ یعنی

باندیاں اور غلام۔ اس میں کافی اختلافات ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد صرف باندیاں ہیں‘ غلام مرد نہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ مرد بھی شامل ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ مرد جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو۔ یہاں میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا‘ پھر یہ فقہ کی بحث ہو جائے گی۔ ﴿اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ ’’یا ایسے زیردست مردوں کے جو اس طرح کی غرض نہیں رکھتے۔‘‘ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ کسی کے گھر میں کوئی اندھا آدمی رہ رہا ہے یا کسی مریض کو پناہ دے رکھی ہے‘ انہیں عورتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ﴿اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡہَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۪﴾ ’’یا اُن لڑکوں کے جو عورتوں کے مخفی معاملات سے ابھی ناواقف ہیں۔‘‘ ایسے بچے جن پر ابھی عورتوں کے پوشیدہ حالات واضح ہی نہیں ہیں۔ ابھی انہیں جنس کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔

یہ وہ فہرست ہے جن کے سامنے عورت کھلے چہرے کے ساتھ اور اپنی اضافی زینت‘ زیور یا سرمہ یا معمولی سی سرخی لگائی ہے تو اس کے ساتھ آسکتی ہے۔ یہ وہ رشتے ہیں کہ جن سے کسی حالت میں بھی نکاح نہیں ہو سکتا‘ لہٰذا ذہن ادھر جاتا ہی نہیں ہے۔ نارمل آدمی کا ذہن ادھر جائے گا ہی نہیں لیکن ہم ایک ابنارمل فضا کے اندر رہ رہے ہیں‘ جس میں inscest کے واقعات اب بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ مغرب میں تو یہ سب سے بڑا مرض بن گیا ہے اور دماغی امراض کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے۔

آگے فرمایا: ﴿وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ ؕ﴾ ’’اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی اس زینت میں سے کچھ ظاہر ہو جائے جسے وہ چھپاتی ہیں۔‘‘ چلتے ہوئے اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو جائے۔ اگر کوئی پازیب پہنی ہوئی ہے‘ کوئی جھانجر وغیرہ ہیں تو زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کا ذہن اس طرف جائے گا کہ کوئی خاتون جا رہی ہے اور وہ پلٹ کر دیکھیں گے۔

اس کے علاوہ فرمایا کہ کوئی عورت عطر لگا کر گھر سے نہ نکلے کہ اس کی خوشبو پھیلے۔ سنن

ابی داوٗد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اسْتَعْطَرَتِ الْمَرْأَۃُ فَمَرَّتْ علی الْقَوْمِ لِیَجِدُوا رِیحَھا فَھِیَ کذا وکذا، قال قَوْلًا شَدِیدًا))

’’جب کوئی عورت خوشبو لگا کر نکلتی ہے کہ لوگ اس کی خوشبو سونگھیں تو وہ ایسی ہے‘ ایسی ہے۔ حضور ﷺ نے بہت سخت الفاظ استعمال کیے۔‘‘

مسند احمد اور بعض دیگر کُتبِ حدیث میں یہ الفاظ واضح طور پر نقل ہوئے ہیں: ((فَھِیَ زَانِیَۃٌ)) یعنی ایسی عورت زانیہ ہے۔

پھر عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ اُس وقت نماز میں عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ اگرچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((خَیْرُ صُفُوفِ الرِّجالِ أَوَّلُھا وشَرُّھا آخِرُھا، وخَیْرُ صُفُوفِ النِّساء آخِرُھا وشَرُّھا أَوَّلُھا)) (رواہ مسلم)

’’مردوں کی بہترین صف اُن کی پہلی صف ہے اور بدترین صف اُن کی آخری صف ہے‘ جب کہ خواتین کی بہترین صف اُن کی آخری صف ہے اور بدترین صف اُن کی پہلی صف ہے۔‘‘

اسی طریقے سے اگر امام نے غلطی کی ہے تو مرد کہے گا ’’سبحان اللہ‘‘ جبکہ عورت اپنے ایک ہاتھ کی پشت پر اپنا دوسرا ہاتھ مارے گی۔ یعنی اپنی آواز نہیں نکالنی۔ آواز کا پردہ ہے۔ چھونے کا پردہ یہاں تک ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کسی عورت سے ہاتھ نہیں ملایا۔ جب بیعت بھی لی تو بس زبانی الفاظ کہلوائے یا ایک کپڑا لے کر اس کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑا‘ دوسرا اُس خاتون کے ہاتھ میں دیا۔ یا ایک تشت کے اندر پانی بھرا‘ اس میں ایک طرف حضور ﷺ نے اور دوسری طرف اُس عورت نے انگلیاں ڈال لیں۔ کبھی مصافحہ نہیں کیا۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ جب خواتین نے بیعت کرتے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ((اِنِّی لَا اُصَافِحُ النِّسَاء)) (رواہ مالک وغیرہ) ’’مَیں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔‘‘

پردے کے تین حصار

دراصل اسلام میں تین پردے ہوئے۔ پہلا پردہ چار دیواری‘ کہ گھروں میں رہو۔ یہ فرسٹ ڈیفنس لائن ہے۔اس میں صرف محرم آئے گا۔ اسی پر ہماری تہذیب استوار ہوئی۔اسی پر ہمارا architecture بنا۔گھر ایسے بنے کہ مردانہ حصہ علیحدہ‘ زنانہ علیحدہ۔چھوٹا گھر ہے تب بھی بیٹھک علیحدہ۔بیٹھک باہر کھلے گی اور ڈیوڑھی سے ہوکر پھر گھر کے اندر جائیں گے۔مرد آئیں گے تو یہاں بیٹھیں گے‘ اندر نہیں جائیں گے۔اندر صرف وہی جائیں گے جو ابدی محرم ہیں۔

دوسرا پردہ: ستر۔گھر کے اندر جو محرم آ گئے ہیں ان کے سامنے چہرہ تو کھلے گا‘ باقی جسم کا کوئی حصّہ بھائی بہن کا نہیں دیکھ سکتا‘ باپ بیٹی کا نہیں دیکھ سکتا‘ بیٹا ماں کا نہیں دیکھ سکتا۔یہ ستر ہے۔عورت پوری کی پوری ’’عورۃ‘‘ ہے‘ یعنی چھپانے کی چیز۔سورۃ النور کی متذکرہ بالا آیت میں ’’عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ‘‘ کے الفاظ آئے ہیں‘ یعنی عورتوں کی چھپی ہوئی چیزیں۔

تیسرا پردہ ہے: چہرے کا پردہ۔یہ غیر محرموں سے ہے اور جبکہ گھر سے باہر نکلنا ہو۔اس کے لیے میں نے کہا تھا کہ سورۃ الاحزاب میں گھر سے باہر کا پردہ ہے۔چہرے کا پردہ غیر محرموں سے ہے۔عورت جب گھر سے باہر نکلے گی تو غیر محرم سامنے آئیں گے۔لہٰذا ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡہِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِہِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ فَلَا یُؤۡذَیۡنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۵۹﴾﴾ (الاحزاب)

’’اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اپنی بیویوں‘ اپنی بیٹیوں اور اہلِ ایمان خواتین سے کہہ دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصّہ لٹکا لیا کریں۔ یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں تو انہیں کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔اور اللہ بہت بخشنے والا‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

سورۃ الاحزاب ہی میں تدریج ملاحظہ ہو۔شروع میں ’’یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ‘‘ سے بات

چلی۔پھر استثناء ان کا حکم بھی اوّلاً صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کے لیے آیا۔ آگے چل کر اسی سورت میں اسے عام کر دیا گیا۔ چہرے کے پردہ کا حکم بھی اوّلاً صرف ازواجِ مطہرات کے لیے نازل ہوا‘ پھر اس آیت میں سب اہلِ ایمان کی عورتوں کے لیے بھی عام ہوگیا کہ وہ (گھر سے باہر) اپنے چہروں کے اوپر اپنی جلباب کو لٹکا لیا کریں‘ یعنی چہرہ چھپ جائے۔ اس کی تفسیر مختلف مفسرین نے کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی جو وضاحت فرمائی ہے اسے حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے: ’’اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلّو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپا لیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔‘‘ یعنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنا بھی غلط ہے۔ ہمارے ہاں برقع اس لیے بنا تھا کہ عورت جب چادر میں لپٹی ہوتی ہے تو اس کا ایک ہاتھ اس چادر کو سنبھالنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔کسی نے بچے کو ڈاکٹر کے ہاں لے کر جانا ہے‘ گود میں ایک ہاتھ سے بچے کو سنبھالنا ہے‘ دوسرے ہاتھ میں کوئی دوائی کی بوتل لینی ہے تو اپنی چادر کیسے سنبھالے گی؟ چنانچہ برقع ضرورت کے تحت ایجاد ہوا۔ابتدائی برقعوں میں جالیاں لگی ہوتی تھیں کہ نگاہوں سے بھی براہ راست سامنا نہ ہو۔اب بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ بس ایک آنکھ کھلی رہے۔ مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ انقلابِ ایران کے بعد جو لوگ ایران سے حج کرنے آئے‘ تو ان کی عورتیں چادروں میں اس قدر ملبوس ہوتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ کھلی ہے‘ دوسری نہیں۔

ابن جریرؒ کی روایت ہے کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے حضرت عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ سے ان الفاظ کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اپنی چادر کو اپنے اوپر اس طرح اوڑھا کہ اپنا سر‘ پیشانی اور پورا منہ ڈھانپ لیا اور صرف بائیں آنکھ کھلی رکھی۔ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک اسلام دین ہے‘ صرف مذہب نہیں۔ اسلام قرآن اور سُنّت دونوں پر مبنی ہے‘ صرف قرآن پر نہیں۔قرآن میں تاویلِ خاص کے بعد تاویلِ عام ہے۔الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص السبب! اسی طرح ابوبکر بن عبداللہ

ابن عربیؒ نے ﴿ یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡہِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِہِنَّ ﴾ کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

تغطی به وجهها حتیٰ لا یظهر منها الا عینها الیسریٰ یعنی عورت اپنی چادر سے پورے وجود کو ڈھانپ لے اور چہرے کو بھی اس طرح ڈھانپے کہ صرف بائیں آنکھ کھلی رہے۔

علامہ حمید الدین فراہیؒ کو نظمِ قرآن کے فہم میں خصوصی مقام حاصل تھا۔ انہوں نے حجاب کے بارے میں اپنے ایک مکتوب میں ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنے کے موقف کو جائز قرار دینے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’میری رائے میں نظمِ قرآن پر توجہ نہ کرنے سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ ایسی قدیم غلطیوں کا کیا علاج کیا جائے۔ کون سنتا ہے کہانی میری‘ اور پھر وہ بھی زبانی میری! فقہاء اور مفسرین کا گروہ ہم زبان ہے‘ مگر صحابہ ؓ اور تابعین رحمہم اللہ زیادہ واقف تھے۔ انہوں نے ٹھیک سمجھا ہے مگر متاخرین حضرات نے ان کا کلام بھی نہیں سمجھا۔ بہرحال الحق أحق أن یتبع۔ میں اس مسئلے پر مطمئن ہوں اور میرے نزدیک اجنبی سے پورا پردہ کرنا واجب ہے‘ اور قرآن نے یہی حجاب واجب کیا ہے جو شرفاء میں مروّج ہے‘ بلکہ اس سے قدرے زائد۔‘‘

مولانا فراہیؒ کا یہ مکتوب ماہنامہ ’’حیاتِ نو‘‘ (انڈیا) کی اشاعت بابت اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ یہ ہے علماء کی رائے اور صحابہ ؓ و تابعینؒ کا تعامل۔

مزید یہ کہ حضور ﷺ نے کئی حضرات سے پوچھا‘ جب وہ کہیں رشتہ کر رہے تھے کہ: آپ نے ایک نظر دیکھ لیا ہے؟ اس ایک نظر دیکھنے کی اگر اتنی اہمیت ہے تو اس کا مطلب تو یہی ہے کہ اُس دور میں عورتیں اپنے چہرے چھپا کر رکھتی تھیں۔ اگر تو صورت حال یہ ہوتی کہ ہر وقت چہرہ کھلا ہے‘ تو پھر ایک نظر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو دکھا دکھایا ہے۔ بقول شاعر:

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا!

حضرت محمد بن مسلمہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا أَلْقَى اللّٰهُ فِي قَلْبِ امْرِئٍ خِطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا))

(ابن ماجہ: ۱۸۶۴)

’’جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے دل میں کسی عورت کو پیغامِ نکاح دینے کا ارادہ ڈال دے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے دیکھ لے۔‘‘

حضرت ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے: مَیں ایک موقع پر نبی مکرم ﷺ کی مجلس میں تھا۔ ایک شخص آیا اور آپ ﷺ کو بتایا کہ اُس نے ایک انصاری عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: ’’کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟‘‘ اُس نے جواب دیا: نہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا ، فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا)) (مسلم: ۱۴۴۰)

’’جا کر دیکھ لو‘ اس لیے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ (نقص) ہوتا ہے۔‘‘

یہ ایک نظر دیکھنے کی اجازت ہونا بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عام حالات میں عورت دکھائی نہیں دیتی تھی بلکہ پردے میں رہتی تھی۔

نام نہاد دانشوروں کی منافقت

جدید تعلیم یافتہ مسلم دانشوروں کی منافقت ملاحظہ ہو۔ وہ کہتے ہیں یہ پردہ وردہ سب مولویوں کی ایجاد ہے۔ کبھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہندوستان میں راجپوتوں کا پردہ ہوتا تھا‘ وہیں سے مسلمانوں نے اسے اختیار کر لیا۔ مَیں نے عرب کی بدو خواتین کو دیکھا ہے جو مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے نظر آتی ہیں۔ ایک خاتون اونٹوں کی پوری قطار لے کر جا رہی ہے‘ ہاتھ میں لاٹھی ہے اور اس کا چہرہ مکمل چھپا ہوا ہے۔ آنکھوں کے اوپر بھی حجاب سا بنایا ہوتا ہے اور ہاتھوں میں دستانے‘ پاؤں میں جرابیں ہیں۔ عرب کے ریگستانوں میں یہ کون سے راجپوتوں کا پردہ پہنچ گیا؟ بدو حج وعمرہ کے لیے بھی اپنی عورتوں کو اسی حال میں لے کر آتے ہیں اور وہ احرام کی حالت میں بھی آگے چھجا بنا کر اس پر چادر لٹکا لیتی ہیں تاکہ چہرے سے مس نہ کرے۔ جب اپنی خواتین کو طواف کراتے ہیں تو مرد ہاتھ سے ہاتھ پکڑ کر ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں تاکہ کسی اور کے ساتھ ان کا نہ کندھا لگے اور نہ جسم کا کوئی اور حصہ

مس ہو۔ وہاں یہ پردہ کہاں سے آ گیا؟

میں منافقت اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایک طرف ہمارا جدید دانشور طبقہ علماء کرام کو دقیانوسی مولوی ملاٹے قرار دیتا ہے اور اس طبقہ کے نزدیک اصل اسلام تو سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کا ہے۔ دوسری طرف سرسید اور اقبال کے ہاں پردے کا جو معیار ہے وہ اس کا ذکر تک نہیں کرتے۔ سرسید کا واقعہ میں سنا چکا ہوں۔ علامہ اقبال کا حال بھی سن لیجیے۔ انگریز سرکار لارڈ ولنگٹن کے زمانے میں علامہ اقبال کو اپنا گورنر بنا کر جنوبی افریقہ بھیجنا چاہتی تھی۔ من جملہ دیگر شرائط ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام سرکاری تقریبات میں بیگم اقبال ان کے ہمراہ ہوں گی۔ علامہ اقبال نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ بے شک میں گناہ گار مسلمان ہوں اور اعمال کے اعتبار سے مجھ سے بہت سے کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں تاہم میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں کہ محض ایک سرکاری عہدے کی خاطر اپنی بیوی کو بے پردہ کردوں۔ (یہ اقتباس مولانا مودودیؒ کے مضمون سے ہے جو ماہنامہ ’’بتول‘‘ اپریل ۱۹۷۲ء میں چھپا تھا۔) ایک مرتبہ علامہ مرحوم کسی مغربی ملک میں بصورت وفد گئے۔ وفد کے تمام ارکان اپنی بیویوں کے ساتھ جا رہے تھے‘ علامہ اقبال نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ان کی بیگم پردے کی پابند ہے اور ایسے دوروں میں پردے کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ پیرزادہ بہاء الحق قاسمیؒ امرتسری نے اپنی کتاب ’’پردۂ نسواں‘‘ میں تحریر کیا ہے کہ ایک مرتبہ سر محمد شفیع کے ہاں علامہ مرحوم مع فیملی مدعو تھے لیکن علامہ اقبال تنہا گئے۔ سر شفیع نے پوچھا: بیگم صاحبہ کو کیوں نہیں لائے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ پردے کی پابند ہیں۔ سر شفیع نے کہا کہ یہاں زنانے میں قیام کر سکتی ہیں۔ علامہ صاحب نے جواب دیا کہ بے پردہ گھرانوں کے زنانے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ایک طرف علامہ اقبال کو مفکرِ پاکستان اور بے شمار خطابات دیے جاتے ہیں‘ داڑھی نہ رکھنے میں اُسوہ اقبال کا پسند کیا جاتا ہے لیکن پردے کے ضمن میں ان کا اُسوہ قبول نہیں ہے۔ یہ ہے منافقت!

عارضی محرم کی حیثیت

ایک اور فتنہ ایک خاص طبقہ سے اٹھا ہے۔ میں ان کی زیادہ مذمت نہیں کرنا چاہتا‘

اس لیے کہ بحیثیت مجموعی وہ کام اچھا کر رہے ہیں‘ لیکن انہوں نے عارضی محرم اور ابدی محرم میں فرق کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک سالی اور بہنوئی عارضی محرم ہو گئے‘ اس لیے کہ جب تک اس کی بہن زندہ ہے جو آپ کے نکاح میں ہے‘ آپ کی شادی سالی سے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جس سے شادی نہیں ہو سکتی وہ محرم ہو گیا‘ لیکن یہ عارضی محرم ہے۔ اگر آپ کی زوجہ فوت ہو جائے تو پھر اس کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک فتنہ ہے جو اس دور میں اٹھا ہے۔ جان لیجیے کہ محرم کوئی عارضی نہیں ہوتا۔ محرم وہی ہے جو ابدی محرم ہے۔ ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے بھائی سے پردہ کرے گی یا نہیں؟ اس سے شادی تو نہیں ہو سکتی۔ البتہ شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد دیور سے شادی ہو سکتی ہے۔ بھائی اگر فوت ہو جائے تو بھابی سے شادی ہو سکتی ہے۔ عارضی محرم کا یہ تصور بالکل غلط ہے اور بہت بڑا فتنہ ہے۔ محرم وہی ہے کہ جو ابدی محرم ہے‘ جس کے ساتھ نکاح ہر حالت میں حرام ہے۔ سالی‘ دیور وغیرہ کے رشتے بہت نازک اور خطرناک ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ)) فقال رجلٌ من الأنصار: يا رسول الله، أرأيتَ الحمْوَ؟ قال: ((الحَمْوُ الْمَوْتُ)) (متفق عليه)

’’(نامحرم) عورتوں سے ملاقات سے بچو!‘‘ ایک انصاری شخص نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’دیور تو موت ہے۔‘‘

یعنی دیور تو ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔ (واضح رہے کہ ’’الحَمْوُ‘‘ میں شوہر کے بھائی اور تمام قریبی رشتہ دار‘ جیسے بھانجے بھتیجے شامل ہیں۔) اب آپ سوچیے کہ ہمارے ہاں دیوروں اور نندوئیوں سے کوئی پردہ ہے؟ دیور ہندی کا لفظ ہے۔ ہندوؤں میں دیور کے بارے میں تصوّر یہ تھا کہ یہ تو دوسرا شوہر (دے وَر) ہے‘ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ دیور تو موت کے درجے میں ہے۔

ایک اور بات نوٹ کیجیے۔ افسوس کہ اس معاملے میں بعض لوگ جو پردے کے بڑے شدید حامی ہیں وہ بھی نرمی دکھا جاتے ہیں‘ بلکہ ایسے حضرات جنہوں نے پردے پر

بڑی معرکۃ الآراء کتب تحریر فرمائی ہیں اس معاملے میں مغالطے کا شکار ہوئے ہیں۔ ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ جو قریبی رشتہ دار ہیں‘ جن کا گھروں میں آنا جانا زیادہ ہے‘ ان کے معاملے میں زیادہ سختی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا فلسفہ سمجھ لیجیے۔ قریبی رشتہ دار کزنز وغیرہ ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کے ہاں تو کزنز سے شادی نہیں ہو سکتی‘ جیسے سگے بھائی سے شادی نہیں ہو سکتی۔ ان کا تو معاملہ اور ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں تو چچا زاد‘ ماموں زاد‘ پھوپھی زاد‘ خالہ زاد سے شادی ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے جن سے جتنا زیادہ ربط کا معاملہ ہے اتنا ہی اندیشہ بھی زیادہ ہے۔ فرض کیجیے‘ ایک عورت نے راستہ چلتے ہوئے کسی اجنبی مرد کو دیکھا اور وہ اس کی نگاہ میں کھب گیا۔ اُس کی مردانہ وجاہت اسے اچھی لگی۔ پھر دوبارہ تو اس سے ملنا ہی نہیں‘ وہ تو بس راستے کا معاملہ تھا۔ اس کے برعکس جو لوگ گھر میں آ جا رہے ہوں ان سے تو پردے کی زیادہ ضرورت ہے‘ اس لیے کہ رابطے کے مواقع زیادہ ہیں۔ بات شروع ہو گی تو بڑھتی چلی جائے گی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو پھر مَردوں کا بھی پردہ ہونا چاہیے۔ نہیں! عورت کا مرد کو دیکھنا کچھ اور ہے جب کہ مرد کا عورت کو دیکھنا کچھ اور۔ مرد کی فطرت میں اِقدام ہے‘ یعنی آگے بڑھ کر کوئی شے حاصل کرنا‘ جبکہ عورت کی فطرت میں گریز ہے یعنی پیچھے ہٹنا۔ اس کا حسن اسی گریز میں ہے۔ لہٰذا پردہ عورت کے لیے ہے‘ مرد کے لیے نہیں ہے۔

البتہ اگر کسی مرد سے رابطے کا معاملہ زیادہ ہونے کا امکان ہو تو نابینا سے بھی پردہ ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ ؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم ؓ آ گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہم سے فرمایا: ((احْتَجِبَا مِنْهُ)) ’’اس سے پردہ کرو!‘‘ ہم نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَيْسَ أَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا؟ ’’یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں‘ یہ نہ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور نہ ہمیں پہچانتے ہیں!‘‘ فرمایا: ((أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا! أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ؟)) ’’کیا تم دونوں بھی اندھی ہو! کیا تم اسے نہیں دیکھ رہی ہو؟‘‘ حضرت اُمّ سلمہ تصریح کرتی ہیں: وَذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ ’’یہ اس

کے بعد کا واقعہ ہے جب ہمارے لیے حجاب کا حکم آ گیا تھا۔‘‘ (رواہ احمد و ابوداود والترمذی) اس کی تائید موطا امام مالک کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کے پاس ایک نابینا آیا تو انہوں نے اس سے پردہ کیا۔ کہا گیا کہ آپ اس سے پردہ کیوں کرتی ہیں‘ یہ تو آپ کو نہیں دیکھ سکتا! جواب میں اُمّ المؤمنین نے فرمایا: لکنی انظر الیہ ’’لیکن میں تو اسے دیکھتی ہوں نا!‘‘

عام حالات میں عورت کو باہر نکلنا پڑے‘ وہ بازار میں جا رہی ہے تو اگر وہ مَردوں کو دیکھتی ہے تو اس میں درحقیقت وہ فتنہ نہیں ہے کہ جو گھر میں آنے جانے والے لوگوں کا ہے۔ جو کزنز ہیں‘ جو قریبی رشتہ دار ہیں‘ جن کا آنا جانا زیادہ ہے ان سے زیادہ سخت پردہ ہونا چاہیے بنسبت اجنبی لوگوں کے کہ ان سے آج اگر کوئی نگاہیں چار ہوئی ہیں تو اس کے بعد پتا نہیں کبھی نظر بھی آئے گا یا نہیں! بہرحال عورتوں کے مَردوں کو دیکھنے کے معاملے میں اتنی سختی نہیں ہے جتنی مَردوں کے عورتوں کو دیکھنے کے معاملے میں ہے۔

اختصاصِ نبوت پر مبنی استثناء

اب ایک آخری مسئلہ ہے۔ دو حدیثیں ایسی ہیں جو اگرچہ میری گفتگو کے خلاف جاتی ہیں لیکن مَیں دیانت کا تقاضا سمجھتا ہوں کہ وہ بھی آپ کے سامنے بیان کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ دو خواتین جو ویسے تو نامحرم تھیں‘ آپؐ کے سامنے آتی تھیں اور آپ ﷺ ان سے ملتے رہے۔ ایک آپ کی سالی حضرت اسماء ؓ بنت ابی بکر ؓ (حضرت عائشہ ؓ کی بہن) اور ایک آپ ﷺ کی چچا زاد بہن حضرت اُمّ ہانی ؓ (حضرت علی ؓ کی بڑی ہمشیرہ)۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت اسماء ؓ آپ ﷺ کے سامنے آتی تھیں اور اخیر وقت تک آپ ﷺ اور ان کے درمیان چہرے اور ہاتھوں کی حد تک پردہ نہ تھا۔ حجۃ الوداع‘ نبی اکرم ﷺ کی وفات سے چند مہینے پہلے کا واقعہ ہے اور اس وقت بھی یہی حالت قائم رہی۔ (سنن ابی داؤد‘ کتاب الحج) اسی طرح حضرت اُمّ ہانی ؓ بنت ابی طالب‘ حضور ﷺ کی چچا زاد بہن‘ آخری وقت تک رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتی رہیں اور کم از کم چہرے

کا پردہ آپ ﷺ سے کبھی نہیں کیا۔ فتح مکہ کا ایک واقعہ وہ خود بیان کرتی ہیں جس سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (ابوداوٗد)

یہ روایتیں ہیں‘ مَیں انہیں تسلیم کرتا ہوں‘ اور میں نے اب تک جو بیان کیا ہے یہ اس سے بالکل برعکس بات ہے۔ غور طلب بات ہے کہ کیا ہم ان دو احادیث کو اصل مان کر باقی ساری احادیث کو ردّ کر سکتے ہیں‘ یا ان کی کوئی تاویل کریں گے؟ میں آپ کو سنا نہیں سکا‘ ورنہ میرے پاس چہرے کے پردے کے حوالے سے احادیث کا بہت زیادہ مواد موجود تھا۔ صحاح سِتّہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک خاتون جن کا نام اُمّ خلاد ؓ تھا‘ نبی اکرم ﷺ کے پاس اپنے بیٹے کا‘ جو ایک غزوہ میں شہید ہو گیا تھا‘ انجام دریافت کرنے آئیں اور وہ نقاب پہنے ہوئے تھیں (وَهِيَ مُتَنَقِّبَةٌ)۔ آپ ﷺ کے پاس موجود صحابہ کرامؓ میں سے ایک صاحبؓ نے (ان کی اس استقامت پر تعجب کرتے ہوئے) کہا: جِئْتِ تَسْأَلِينَ عَنِ ابْنِكِ وَأَنْتِ مُتَنَقِّبَةٌ؟ ’’آپ اپنے (مقتول) بیٹے کا حال دریافت کرنے آئی ہیں اور اس (غم کی شدید) کیفیت میں بھی نقاب پہنے ہوئے ہیں!‘‘ اس خاتون نے جواب دیا: اِنْ أُرْزَأَ ابْنِي فَلَنْ أُرْزَأَ حَيَائِي ’’اگر میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے تو اپنی حیا تو نہیں کھودی!‘‘ پس دیکھ لیجیے‘ نقاب کا لفظ بھی حدیث میں موجود ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نقاب تو بعد کی پیداوار ہے۔ حجاب‘ جلباب اور خمار کے الفاظ تو قرآن میں ہیں لیکن ’’نقاب‘‘ کوئی لفظ ہے ہی نہیں! حدیث کے الفاظ ہیں: وَهِيَ مُتَنَقِّبَةٌ ’’اور اُس نے نقاب ڈالا ہوا تھا‘‘۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ عجیب عورت ہے‘ اس کا بچہ شہید ہو گیا ہے‘ شدید غم کی کیفیت میں ہے اور اس وقت بھی اس نے نقاب ڈالا ہوا ہے۔ اس پر اس خاتون کا جواب ملاحظہ ہو کہ مَیں نے اپنا بیٹا کھویا ہے‘ اپنی حیا نہیں کھوئی ہے۔

یہ ہے ہماری تہذیب اور تمدن! اسی کے تحت ہمارے گھر بنتے تھے۔ یہ تو مغربی تہذیب نے آ کر ہمارے گھروں کے نقشے تبدیل کیے کہ آگے سے بھی کھلا‘ پیچھے سے بھی کھلا۔ ہمارے گھروں میں چار دیواری ہوتی تھی‘ آج چار دیواری کہاں ہے! چاروں طرف عمارت ہوتی تھی‘ درمیان میں صحن۔ دور سے کہیں نگاہ پڑ سکتی تھی ورنہ آس پاس سے

نہیں پڑ سکتی تھی۔ پھر ڈیوڑھی کے بعد مردانہ علیحدہ‘ زنانہ علیحدہ۔ کم سے کم بیٹھک تو علیحدہ ہو‘ ساتھ باتھ روم ہو۔ سپین کا Moorish Architecture پوری دنیا میں مشہور تھا اور اس طرزِ تعمیر پر گھر بنتے تھے۔

بہرحال آخری بات یہی ہے کہ یا تو ان دو احادیث کی بنا پر قرآن مجید‘ اس کی حکمت اور بے شمار احادیث کو ہم ردّ کر دیں یا ان کی تاویل کریں‘ یا پھر ان دو کی تاویل کریں۔ وہ تاویل میرے نزدیک یہ ہے کہ ان دو حدیثوں میں بیان کردہ استثناء نبی اکرم ﷺ کے اختصاصات میں سے ہے۔ حضور ﷺ کے کچھ خواص ایسے تھے کہ لوگوں کے لیے ان کا اتباع صحیح نہیں تھا۔ مثلاً صومِ وصال‘ کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا‘ شام کو افطار نہیں کیا‘ ساری رات بھی روزے سے رہے‘ اگلے دن بھی آپ ﷺ نے نہ سحری کھائی اور نہ ہی شام کو افطار کیا۔ یعنی دو دنوں کو جوڑ دیا۔ یہ دو دنوں کا صوم وصال ہوا۔ اس سے حضور ﷺ نے صحابہؓ کو سختی سے منع فرمایا۔ لوگوں نے کہا: حضور! آپ ہمیں روکتے ہیں جب کہ خود رکھتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَأَيُّكُمْ مِثْلِي! إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ)) (متفق علیه) ’’تم میں سے کون ہے مجھ جیسا؟ مَیں تو اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا ربّ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔‘‘ اب بتایئے کون شخص اپنے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ وہ اس بنا پر صومِ وصال رکھنے کا حق رکھتا ہے کہ حضور ﷺ رکھتے تھے! یہ اختصاصی معاملات خصائص نبوت میں سے ہیں۔ پھر یہ کہ نبی اکرم ﷺ ہر طرح کے وسوسے سے بھی پاک تھے‘ سو یہ ان کا غیر معمولی طرزِ عمل ہو سکتا ہے۔ اس کی بنا پر اس سارے موضوع پر جھاڑو نہیں پھیری جا سکتی۔

اقول قولی هٰذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ختمِ نبوّت کا منطقی اور لازمی نتیجہ

حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

یہ موضوع ہمارے ہاں تفصیل سے بیان نہیں ہوتا' بس تذکرہ ہو جاتا ہے کہ ختم نبوت پر ایمان ضروری ہے' اس کی بڑی اہمیت ہے' جو اس کا منکر ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے وغیرہ۔ ختم نبوت کا تصوّر کیا ہے؟ اس سے مراد کیا ہے؟ اس حوالے سے حقیقی آ گاہی نہیں دی جاتی۔ حالیہ دنوں میں حکومتی سطح پر اسلام دشمن قوتوں کو راضی کرنے کی ایک کوشش کی گئی جس میں ایک آئینی شق میں تبدیلی کر کے اُس حلف نامہ کو نکالا گیا جو قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرتا ہے۔ اس عمل کی ہر سطح پر مذمت کی گئی' جس کے بعد اس ترمیم کو واپس لے لیا گیا۔ البتہ عقیدۂ ختم نبوت کو ہمیں اپنی جگہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ ہے کیا! اس حوالے سے قادیانی عام لوگوں کو دھوکا دے دیتے ہیں کہ دیکھیے ہم بھی تو حضور ﷺ کو رسول مانتے ہیں' ہم قرآن مجید کو اللہ کی کتاب سمجھتے ہیں' ہم بھی نماز پڑھتے ہیں اور مسجدیں بھی بناتے ہیں۔ چنانچہ عام آدمی یہ سمجھ کر ان کے جال میں پھنس جاتا ہے کہ یہ تو ہمارے بہت قریب ہیں' شاید ایک غلطی ان سے ہو گئی کہ انہوں نے غلام احمد قادیانی کو نبی مان لیا لیکن باقی ہر اعتبار سے یہ مسلمان ہیں۔ یعنی کوئی بڑا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ حقیقت میں یہ بہت بڑا جال ہے۔ لہٰذا اس کو زیادہ توجہ کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ عقیدہ کیا ہے اور اس کی اتنی اہمیت کیوں ہے!

ختم نبوت کا عام مطلب یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ ہو گیا۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''(دیکھو!) محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔''

ہمارے ہاں شرف کے حوالے سے یہ چیز بڑی اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے کہ کسی کے بیٹے کتنے ہیں۔ گویا جس کے جتنے بیٹے ہوں گے وہ اتنا ہی مقام و مرتبے والا ہو گا۔ عربوں میں بھی یہ تصور عام تھا اور وہ اس حوالے سے آپ ﷺ پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ لہٰذا یہاں ایک تو یہ صاف صاف بتا دیا گیا کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے بھی مکہ میں جو آپ ﷺ کی نرینہ اولاد تھی جن میں ایک سے زیادہ بیٹے تھے' وہ بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ نے اُٹھا لیے۔ اس کے بعد مدنی دور میں بھی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جو بیٹا تولد ہوا تھا' آپؐ نے اس کا نام ابراہیم رکھا تھا' اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بات قرآن مجید میں طے کر دی' عملاً بھی اس کا ظہور سامنے آ گیا۔

دوسری چیز جو یہاں بتائی گئی وہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے وہ ان سب چیزوں سے ماوراء ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے نمائندے اور رسول بن کر آئے ہیں اور نہ صرف اللہ کے رسول ہیں بلکہ خاتم النّبیین بھی ہیں۔ چنانچہ یہ دوٹوک بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ آخری نبی اور آخری رسول ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں آئے گا۔ اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اب جو بھی بعد میں کسی نبی کو مانے گا وہ گویا آنحضور ﷺ کی رسالت کا انکار کر رہا ہے۔ اصل میں عام طور پر لوگوں کے سامنے یہ چیز نہیں ہوتی کہ نبوت و رسالت کا صرف خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ اس لیے اب جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہے' دجال ہے' کذّاب ہے' جبکہ جو ایسے جھوٹے نبی کی تصدیق کرے گا وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے' اسلام کا باغی ہے۔ اس سلسلے میں متعدد احادیث بیان ہوئی ہیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ:

((وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي)) (سنن الترمذی)

''میری اُمت میں تیس افراد ایسے اُٹھیں گے جو کذاب (انتہائی جھوٹے) ہوں گے' ان میں سے ہر شخص اپنے بارے میں یہ گمان کرتا ہو گا کہ وہ نبی ہے' حالانکہ میں خاتم النّبیین ہوں' اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبًا مِنْ ثَلَاثِيْنَ ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ)) (متفق علیه)

”اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تیس کے قریب ایسے افراد نہ اٹھا دیے جائیں جو دجال ہوں گے‘ کذاب ہوں گے‘ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔“

حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں یمامہ میں ”مسیلمہ“ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا‘ جسے آپ ﷺ نے ”کذاب“ قرار دیا۔ آپ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد اور بھی مدعیانِ نبوت سامنے آ گئے تھے‘ جیسے صنعاء میں اسود عنسی۔ اس کے علاوہ ایک خاتون بھی نبوت کی دعویدار بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ بعد میں اس خاتون کا جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب سے نکاح بھی ہو گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میرے بعد ایسا ہو گا کہ تیس تک ایسے کذاب آئیں گے جو جھوٹی نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی انہی میں سے ایک ہے۔

دجل کہتے ہیں فریب اور جھوٹ کو‘ جبکہ دجال کا مطلب ہے جھوٹا‘ مکار اور فریبی۔ یہ احادیث واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ اب جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ اسلام سے باہر ہے اور جو اس جھوٹے نبی کی نبوت کو تسلیم کرے گا وہ بھی اسلام سے خارج ہے۔ وہ آنحضور ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کا منکر ہے اور جو مقام اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو دیا ہے وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ وہ اُس مقام کو کسی اور کے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے۔ یہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سب سے زیادہ توجہ اسی فتنہ کی سرکوبی پر مرکوز رکھی۔ آنحضور ﷺ کی زندگی ہی میں اگرچہ جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کا دین غالب وقائم ہو گیا تھا‘ لیکن بہت سارے لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام کو غالب ہوتے دیکھ کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو گئے‘ جبکہ مخالفین میں سے بہت سے وہ تھے جو اسلام کا غلبہ اور قوت دیکھ کر دبک گئے تھے۔ جب آنحضور ﷺ کا وصال ہوا تو یہ دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان میں سے کچھ جھوٹے مدعیان نبوت کے ساتھ مل گئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ جن کا اُمت میں سب سے اونچا مقام ہے‘ انہوں نے سب سے پہلے اس ایشو کو ایڈریس کیا کہ مدعیانِ نبوت کے خلاف جہاد کا باقاعدہ اعلان کیا۔ اس حوالے سے ایک دو نہیں بلکہ کتنے ہی معرکے ہوئے‘ یہاں تک کہ ان میں ۱۲۰۰ صحابہؓ شہید ہوئے‘ حالانکہ حضور ﷺ کی زندگی میں جتنے بھی معرکے ہوئے ان تمام غزوات میں صرف ۲۵۹ صحابہؓ شہید ہوئے۔ اس سے اندازہ کر لیجیے کہ حضرت ابوبکر ؓ پر کتنی اہم ذمہ داری تھی۔ انہوں نے ان فتنوں کے

خاتمے کو ہی ترجیح اوّل بنایا اور اپنے پورے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں انہی کے خلاف مسلسل جہاد کیا تب جا کر اللہ کا دین مستحکم ہو سکا‘ ورنہ وہ اسی وقت بکھر جاتا۔ ختم نبوت کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہے‘ اس لیے کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کی آڑ میں ساری اسلام مخالف قوتیں دینِ حق کو مٹانے کے لیے دوبارہ صف آرا ہو گئی تھیں۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے عظیم انقلاب کو مستحکم کرنے میں سب سے اہم کردار حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ہے۔

چنانچہ ختم نبوت کا ایک پہلو یہ ہے کہ آنحضور ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں ہے۔ اللہ کا یہ فیصلہ قرآن میں بھی ہے‘ احادیث میں بھی بیان ہوا اور صحابہؓ نے اس کو جس مضبوطی سے سمجھا اور اس کے حوالے سے جو استقامت دکھائی تھی جس کے نتیجے میں اسلام مستحکم ہوا‘ وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔

ختم نبوت کا ایک اور مفہوم بھی ہے‘ اور وہ اسی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا آغاز ہوا‘ پھر نبی اور رسول آتے گئے‘ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب نبی آئے اور تین سو تیرہ کے قریب رسول مبعوث ہوئے اور آنحضور ﷺ پر آ کر یہ سلسلہ روک دیا گیا۔ اس سے ایک تاثر یہ ملتا ہے کہ شاید ایک چشمۂ فیض جاری تھا‘ ایک خیر کا معاملہ چل رہا تھا اور اللہ نے اسے روک دیا۔ ایسا نہیں ہے‘ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کا اعلان اس وقت کیا کہ جب نبوت ورسالت اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ چکی تھی اور اس سے آگے کوئی مقام تھا ہی نہیں۔ آپ ﷺ سیّد الاولین والآخرین ہیں‘ سیّد المرسلین ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور حضور ﷺ کا مقام نہ صرف انسانوں بلکہ تمام مخلوقات میں سب سے اونچا ہے۔

انسان کے فہم وشعور اور تہذیب وتمدن کا بھی ارتقا ہوتا رہا اور اس کے ساتھ نبوت ورسالت نے بھی ارتقائی سفر طے کیا۔ یعنی ہر دور میں انسان کو ضروری ہدایات ملتی گئیں‘ یہاں تک کہ بڑی بڑی سٹیٹس وجود میں آ گئیں‘ بڑی بڑی عالمی قوتیں ظہور میں آئیں‘ جیسے رومن ایمپائر‘ پرشین ایمپائر۔ چنانچہ انسان تمدن کے ارتقا کے حوالے سے جس highest level تک پہنچ سکتا تھا وہ پہنچ گیا۔ تب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل ہدایت بھی دے دی گئی۔ چنانچہ اس ضمن میں قرآن مجید کی یہ آیت بڑی اہم ہے کہ:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ

﴿اَلۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾ (المائدۃ: ۳)

’’آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اِتمام فرما دیا ہے اور تمہارے لیے میں نے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا ہے۔‘‘

ختم نبوت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ نبوت و رسالت کے اپنے نقطۂ کمال کو پہنچنے پر اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تبھی قرآن کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے لے لیا۔ اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کی تھیں لیکن کسی کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا تھا۔ اس لیے کہ وہ کتابیں معیّن وقت اور معیّن قوم کے لیے تھیں جبکہ اب اسلام کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اور پوری انسانیت کے لیے دین مقرر کر دیا۔

﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟﴾ (آل عمران:۱۹)

’’یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔‘‘

اب کوئی اور دین (نظام) اللہ کو قابل قبول نہیں ہے۔ جب یہ آیت (المائدۃ:۳) نازل ہوئی تھی تو یہود نے حسرت سے کہا تھا کہ: کاش! ایسی آیت ہمیں عطا ہوتی تو ہم اس کے یومِ نزول کو اپنا قومی جشن قرار دیتے‘ کیونکہ یہ آخری اور مکمل ہدایت جو اللہ نے عطا کر دی‘ وہ قیامت تک کے لیے ہے۔

نبی اور رسول ہمیشہ دو چیزیں لے کر آتے تھے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ﴾ (الحدید:۲۵)

’’ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔‘‘

یہ دو چیزیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آتی تھیں۔ ان میں سے کتاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ انسان کو دنیا کی آزمائش میں ایک گائیڈ لائن مہیا ہو‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے:

﴿الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک:۲)

’’جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔‘‘

اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جو ہمیشہ کے لیے ہے۔ لہٰذا دنیا کی اس آزمائش کے

نتیجے میں ابد الآباد تک کے لیے یا تو جنت ہے یا جہنم۔ اس لحاظ سے دنیا کا یہ امتحان اتنا کڑا اور سنگین ہے کہ اس سے بڑا امتحان کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں ناکامی سے بچنے کے لیے ہمیں راہنمائی کی اشد ضرورت ہے‘ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی تاکہ ہم اس سے راہنمائی حاصل کر کے دنیا میں ایسی زندگی گزاریں کہ آخرت میں جہنم سے بچ کر جنت تک پہنچ سکیں۔ یہ ہر انسان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ چنانچہ انسانیت کے لیے نبوت سے بڑی رحمت اور نعمت کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ اس سے انسان کو راستہ اور راہنمائی ملتی ہے۔

دوسری چیز جو اللہ نے اپنے رسولوں کو دی وہ ہے میزان‘ یعنی نظام۔ دنیا کی آزمائش میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ نوعِ انسانی کو ایک ایسا نظام دیا جائے کہ جس میں عدل وانصاف ہو‘ لوگوں کو ان کے حقوق ملیں اور ایک ایسا سازگار ماحول ہو جس میں وہ خیریت سے اپنا امتحان پاس کر کے آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔ ورنہ اگر بے انصافی ہو گی تو بے چارے اپنے چکروں ہی میں پڑے رہیں گے۔ ایک بہت بڑی تعداد کو دو وقت کی روٹی بھی نہیں ملے گی‘ جیسے آج بہت بڑی تعداد بنیادی ضروریات سے محروم اور جانوروں کی سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ آج کا سارا نظام مکمل طور پر استحصالی ہے۔ دنیا سرمایہ داروں کی جنت بن گئی ہے کیونکہ یہ سودی نظام سرمایہ دار کو سپورٹ کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں کبھی کبھی وال سٹریٹ جیسی تحریکیں بھی اٹھتی ہیں جن کو کچل دیا جاتا ہے۔ یہ ظلم‘ جبر اور استحصال اسی وجہ سے ہے کہ یہ انسان کا اپنا بنایا ہوا نظام ہے‘ اور جو بھی انسان کوئی نظام بنائے گا تو وہ اپنے مفادات کو ترجیح دے گا۔ بادشاہ اگر نظام بنائے گا تو وہ اپنی بادشاہت کو تقویت دے گا۔ سرمایہ دار اگر نظام بنائے گا تو وہ سرمائے کو تحفظ دے گا‘ اسے مزدور کی کوئی پروا نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر مرد نظام بنائے گا تو وہ عورت کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے گا۔ عورت اگر نظام بنائے گی تو وہ مرد کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے گی۔ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ؎

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا!
طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

یعنی اگر مزدور کے ہاتھ میں نظام دے دیا جائے تو کیا وہ دوسروں سے انصاف کرے گا؟ ہرگز نہیں‘ بلکہ وہ دوسرے طبقوں کو ذلیل کرے گا۔ انصاف صرف وہ دے سکتا ہے جو سب کا مالک

ہے۔ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو انسان کی نفسیات کو اس سے بڑھ کر سمجھتا ہے‘ وہی انسانوں کے لیے سب سے زیادہ اعتدال والا اور عدل وانصاف والا نظام دے سکتا ہے۔ اسی میں انسان کی انسانیت بروئے کار آئے گی۔ حیوانیت اور بہیمیت کو دبانے کے لیے یہی نظام مؤثر ہوگا تاکہ لوگوں کو اصل امتحان میں کامیابی کے لیے دنیا میں بھی سازگار فضا مل سکے۔ ایسا نظام ہمیشہ اللہ کی طرف سے میزان کی شکل میں یا دین حق کی شکل میں آتا ہے جو اپنی آخری اور تکمیل شدہ شکل میں حضور ﷺ کو دے دیا گیا۔ اس میں بتادیا گیا کہ معاشی ومعاشرتی وسیاسی نظام کیا ہوگا‘ اوامر اور نواہی کیا ہیں‘ کیا صحیح ہے کیا غلط‘ معاشرے میں کن چیزوں کی اجازت ہے کن کی نہیں۔ یہ اسی نظام کی ایک شکل تھی جو بعد میں دورِ خلافت راشدہ میں سامنے آئی۔ معلوم ہوا کہ اس سے بہتر نظام کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

چنانچہ ختم نبوت اس وقت ہوا جب ہر اعتبار سے ہدایت کی تکمیل ہوگئی‘ دُنیوی اعتبار سے بھی اور اُخروی اعتبار سے بھی۔ اب اس سے آگے کوئی مقام تھا ہی نہیں جو آپ ﷺ کو مل گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ اختیار اللہ کا تھا‘ کسی کو پسند ہو یا نہ ہو۔ سب سے زیادہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق تھا‘ اللہ نے اسی کو یہ شرف دے دیا۔ لہٰذا اب نئی نبوت کا مطلب اس سارے تصورِ دین کی مکمل نفی کرنا ہے‘ جس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ صحابہ کرام ؓ نے جس طرح مدعیانِ نبوت کے تدارک کے لیے اپنی جانیں دی ہیں اور اس کو اہم ترین معاملہ سمجھ کر tackle کیا ہے اس سے ختم نبوت کی اہمیت کا اندازہ ہونا چاہیے۔

پہلے انبیاء ورسل ؑ آکر لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا کرتے تھے‘ گلی گلی دعوت لے کر جایا کرتے تھے۔ اب چونکہ کوئی نبی نہیں آئے گا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اب انسانوں کو ہدایت کی ضرورت نہیں رہی؟ درحقیقت اب تو انسانوں کو پہلے سے کہیں زیادہ ہدایت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ختم نبوت کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اب پیغام رسالت کو پوری دنیا تک پہنچانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اسی نسبت سے مسلمانوں کو ’’خیر الاُمت‘‘ کہا گیا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ......﴾ (آل عمران:۱۱۰)

’’تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے‘ تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور تم روکتے ہو بدی سے......‘‘

ہمیں یہ تو یاد رہتا ہے کہ ہم بہترین اُمت ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ہم پر کتنی بڑی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ کام نہیں کرتے تو ہمارے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے۔ آج دنیا بھر میں مسلمانوں پر جو عذاب مسلّط ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم اس اہم ذمہ داری کو بھول چکے ہیں۔ سورۃ الحج کے آخری رکوع کے آغاز میں بتایا گیا کہ رسالت کی اہمیت ونوعیت کیا ہوتی ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (آیت ۷۵)

’’اللہ چُن لیتا ہے اپنے پیغام بر فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی۔‘‘

فرشتوں میں سے جبرائیل ؑ ہمیشہ وحی لاتے رہے اور انسانوں میں حضرت آدم ؑ سے وحی شروع ہوئی اور آنحضور ﷺ پر وحی کا اختتام ہوا۔ یہ سلسلۂ رسالت اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے قائم کیا تھا۔ اسی رکوع میں آگے فرمایا:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ (آیت ۷۸)

’’اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں چُن لیا ہے‘‘

یعنی اب کمر کس لو‘ محنت کرنی پڑے گی‘ قربانیاں دینی پڑیں گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اب اس منصب کے لیے تمہیں چُن لیا ہے۔ پوری اُمت کی ذمہ داری ہے کہ جو کام پہلے رسول کرتے تھے اب وہی کام یہ اُمت کرے گی۔ صحابہ کرام ؓ جب اس مشن پر نکلے تھے تو دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑے رقبے پر اللہ کا دین قائم اور غالب ہوگیا۔ اس نظام کی برکات کو دیکھ کر کروڑوں لوگ چند سالوں میں مسلمان ہوگئے۔ ختم نبوت کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اب ہمیں وہی کام سنبھالنا ہوگا‘ جیسے اقبال نے کہا تھا کہ ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

بدقسمتی سے آج ہم اس سبق کو بالکل ہی بھولے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرمائے‘ دین کا صحیح تصور ہمارے ذہنوں میں جاگزیں فرمائے اور ہمیں ہماری دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

[مسجد جامع القرآن‘ قرآن اکیڈمی‘ لاہور میں ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۷ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص]

❁❁❁

سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ

تحفظات‘ ابہامات‘ انحرافات اور ان کے ازالے کی حکمت عملی

پس منظر: چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان کی سربراہی میں سہ رکنی بنچ نے مبارک ثانی پٹیشن نمبر 1054-L of 2023 کا فیصلہ ۶ فروری ۲۰۲۴ء کو جاری کیا۔ اس پر پاکستان بھر کے دینی حلقوں میں شدید اضطراب پیدا ہوا۔ اس کے نتیجے میں سپریم کورٹ میں نظر ثانی فوجداری پٹیشن نمبر 2 of 2024 دائر ہوئی اور اس میں معزز عدالت نے دیگر کے علاوہ مندرجہ ذیل پانچ اداروں سے بھی رائے مانگی۔ وہ ادارے یہ ہیں:

(۱) جامعہ دارالعلوم کراچی
(۲) دارالعلوم جامعہ نعیمیہ کراچی
(۳) جامعہ سلفیہ فیصل آباد
(۴) قرآن اکیڈمی لاہور
(۵) جامعہ امدادیہ فیصل آباد

ان اداروں نے مشترکہ موقف تحریری صورت میں اپنی اپنی مہر اور دستخطوں کے ساتھ پیش کیا اور اُسے نظر ثانی کے موقع پر علامہ سید حبیب الحق شاہ کاظمی نے عدالت میں پڑھ کر سنایا اور تمام مکاتبِ فکر نے اس کی تائید کی۔ پھر فیصلے کو محفوظ کر لیا گیا تھا تا آنکہ ۲۴ جولائی ۲۰۲۴ء کو طویل انتظار کے بعد اس نظر ثانی پٹیشن کا فیصلہ اُسی سہ رکنی بنچ نے سنایا۔ اس میں اگرچہ بعض امور کو تسلیم کر لیا گیا‘ لیکن فیصلے میں ذومعنی الفاظ کے استعمال کی وجہ سے مزید ابہامات پیدا ہوئے ہیں اور ان الفاظ کو کسی بھی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ ہماری رائے میں اس فیصلے میں قادیانیوں کے لیے تبلیغ کی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ الغرض دینی حلقوں کا اضطراب بدستور قائم ہے اور اگر اس کا ازالہ نہ کیا گیا تو ملک وملت کے لیے خطرناک ہوگا۔

بعد کو سپریم کورٹ نے ایک وضاحتی بیان جاری کیا۔ اس میں فیصلے سے اختلاف کو ’’فساد‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نہایت احترام کے ساتھ گزارش ہے: یہ فساد نہیں‘ بلکہ ’’ردّ الفساد‘‘ ہے۔ تین

ججوں کی رائے کروڑوں مسلمانوں کی اجماعی رائے کو فاسد اور باطل قرار نہیں دے سکتی۔ اس طرف جذباتیت نہیں‘ بلکہ اہلِ علم کی بہت بڑی تعداد ہے۔ اس میں علماء کے علاوہ آئینی وقانونی ماہرین بھی شامل ہیں۔ عدالت نے نظر ثانی فیصلہ اردو میں لکھا ہے‘ ہم اس کی تحسین کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں: قومی زبان کو عدالت کی کارروائی میں رائج کیا جائے‘ یہ آئین کا بھی تقاضا ہے اور اس کے بارے میں سابق چیف جسٹس جواد ایس خواجہ کا فیصلہ بھی موجود ہے۔

ہم نے فیصلے کو جذبات سے ماوراء ہو کر ٹھنڈے دل سے پڑھا ہے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ عجلت سے کام نہیں لیا‘ کیونکہ یہ انتہائی ذمہ دارانہ کام ہے اور اس کا تعلق جملہ اہلِ ایمان کے عقیدے اور ایمان کے ساتھ ہے۔ اس کو عوام میں پزیرائی (rating) کے لیے استعمال کرنا دیانت وامانت اور ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے۔ پس گزارش ہے کہ ہمارے موقف کو خالی الذہن ہو کر پڑھا اور سمجھا جائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ: ’’مبارک ثانی کیس میں نظر ثانی پٹیشن کا مرحلہ بھی ختم ہو گیا ہے‘ لہٰذا یہ فیصلہ حتمی ہے اور اب اس میں ردّوبدل نہیں ہو سکتا‘‘، اس کی بابت ہماری گزارش ہے: ’’دستورِ پاکستان کا آرٹیکل ۱۸۸ سپریم کورٹ کو اپنے کسی فیصلے یا حکم نامے پر نظر ثانی کا اختیار دیتا ہے۔ چنانچہ دستورِ پاکستان کے آرٹیکل ۱۸۸ میں ہے:

"The Supreme Court shall have power, subject to the provisions of any Act of Majlis-e-Shoora (Parliament) and of any rules made by the Supreme Court, to review any judgement pronounced or any order made by it."

’’سپریم کورٹ کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے منظور کردہ کسی ایکٹ اور خود عدالتِ عظمیٰ کے وضع کردہ کسی قاعدے کے تحت اپنے اعلان کردہ کسی فیصلے یا حکم نامے پر نظر ثانی کر سکتی ہے۔‘‘

اس اصول کی روشنی میں سپریم کورٹ پر لازم ہے:

’’اپنے نظر ثانی شدہ فیصلے میں از خود ترمیم کر کے مسلمانوں کے حقیقی خدشات کا ازالہ کرے یا مقدمے کے سارے فریقوں کو دعوت دے کہ ان کے نزدیک فیصلے میں کوئی سقم ہے یا صرفِ نظر یا غلطی ہوئی ہے‘ تو اُس کی نشان دہی کریں‘ اگر وہ حقائق وشواہد کی

روشنی میں درست ہوئے‘ تو ان کا ازالہ کر دیا جائے گا۔‘‘

اس کے علاوہ یہ فیصلہ قومی اسمبلی میں بھی زیر بحث آ گیا ہے اور سپیکر نے اسے کمیٹی کے سپرد کر دیا ہے۔ لہٰذا اس فیصلے کے پیراگراف ۴۲ کو پارلیمنٹ کے ذریعے ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے: مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ سی کے شروع میں ترمیمی بل کے ذریعے ان الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے:

“Notwithstanding any judgement of any court”

’’کسی بھی عدالت کا کوئی بھی فیصلہ اس دفعہ پر اثر انداز نہیں ہو سکے گا۔‘‘

نیز ۲۹۸ سی میں by visible representations کے بعد اور or in any manner سے پہلے whether publicly or privately کا اضافہ کر دیا جائے۔ اس صورت میں فیصلے کا سب سے زیادہ قابلِ اعتراض حصہ خود بخود بے اثر ہو جائے گا۔

مسلّمہ اصول ہے:

’’کسی بھی ملک کا شہری‘ اُس ملک کے آئین وقانون کا پابند ہے اور اُسے آئین وقانون سے انحراف کا حق حاصل نہیں ہے‘ خواہ وہ پیدائشی شہری ہو یا اُس نے بعد کو اپنے اختیار سے اُس ملک کی شہریت اختیار کی ہو‘ جسے انگریزی میں نیچرل Citizenship کہا جاتا ہے۔ اسی اصول کے تحت قادیانی اس امر کے پابند ہیں کہ آئین پاکستان کو من وعن تسلیم کرتے ہوئے اپنی آئینی حیثیت کو تسلیم کریں‘ اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دیں اور کسی بھی تاویل وتوجیہ کے تحت اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ نہ کریں۔‘‘

نہایت احترام کے ساتھ گزارش ہے: معزز عدالت نے قادیانیوں کو نہ اس امر کا پابند بنایا اور نہ اُن کو یہ تنبیہ کی کہ اُن کا اپنے آپ کو مسلمان قرار دینے کا اِدّعا (claim) آئین سے انحراف اور بغاوت ہے اور اس کی سزا خود آئین میں موجود ہے۔ اگر عدالت اپنا یہ آئینی‘ قانونی اور دینی فریضہ انجام دیتی تو قادیانیوں کے لیے دجل وفریب کے سارے راستے اور امکانات مسدود ہو جاتے۔ اس کے بغیر عدالت کے نظر ثانی فیصلے کا پیراگراف ۲۷ بے معنی ہو جاتا ہے۔ عدالت نے ’’ملّتِ اسلامیہ کا دو سو صفحات پر مشتمل موقف برائے مطالعہ خصوصی کمیٹی‘‘ کا حوالہ دیا اور قرارداد کا مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا ہے:

’’اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروائی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار‘

انہیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے‘ مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تاکہ اس اعلان کو مؤثر بنانے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ’’ان کے جائز حقوق ومفادات‘‘ کے تحفظ کے لیے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔‘‘

پس گزارش ہے: ’’ان کے جائز حقوق ومفادات‘‘ کا تعین یا اُس کی بابت قانون سازی تو تب ہو سکتی ہے جب وہ اپنی آئینی حیثیت کو تسلیم کریں‘ اپنے آپ کو غیر مسلم کی حیثیت سے رجسٹر کرائیں۔ پھر تو وہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے لیے مختص اقلیتی نشست کے حق دار بھی بن سکتے ہیں۔ لیکن آج تک قادیانیوں نے اپنی اس آئینی حیثیت کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ پس جو شہری کسی ملک کے آئین کو ہی تسلیم نہ کریں‘ تو وہ اُس ملک میں ’’جائز حقوق ومفادات‘‘ کے حق دار نہیں بنتے۔ پاکستان میں رہنے والے ہندو‘ سکھ‘ مسیحی‘ پارسی وغیرہ سمیت غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق تین شرائط کے ساتھ متعین ہیں: (۱) قانون کی پابندی‘ (۲) امن عامہ (۳) تابعِ اخلاق۔ اپنے معترضہ فیصلے میں عدالت نے قادیانیوں کے بارے میں بنیادی حقوق اور اقلیتوں کے حقوق کی آئینی دفعات کا حوالہ دیا تھا‘ لیکن آئین سازوں نے اپنی اجتماعی دانش کے مطابق ان پر ’’قانون کی پابندی‘ امنِ عامہ اور تابعِ اخلاق‘‘ ہونے کی جو بندش عائد کی تھی‘ اُسے عدالت نے حذف کر دیا تھا‘ مگر نظر ثانی فیصلے میں اُسے تسلیم کر لیا ہے‘ ہم اس کی تحسین کرتے ہیں۔ سابق عدالتی فیصلے ہمارے اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے انہی عدالتی فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا:

’’مذکورہ بالا اعلیٰ عدالتوں نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی ہے کہ آئین کی دفعہ ۲۰ اور ۲۲ میں غیر مسلموں کو جو مذہبی آزادی دی گئی ہے‘ وہ اُس صورت میں انہیں حاصل ہو گی جب وہ اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت مان کر اپنے مذہب پر عمل کریں‘ جیسے ہندو‘ سکھ اور مسیحی وغیرہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس قادیانیوں کا معاملہ الگ ہے‘ کیونکہ وہ اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر نہیں کرتے‘ اس لیے وہ اس آزادی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ چنانچہ فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے میں کہا گیا ہے:

"But this can be allowed if the non-Muslims preach as non-Muslims and not by passing off as Muslims."(PLD, 1985, FSC:117)

عدالت خود تسلیم کر چکی ہے کہ فاضل وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا اتباع سپریم کورٹ پر لازم ہے‘ اس لیے کوئی جواز نہیں تھا کہ نظر ثانی میں کوئی بات کہتے وقت اس کو پیشِ نظر نہ رکھا جاتا۔ لہٰذا نظر ثانی فیصلے کے پیراگراف ۴۲ میں سرسری طور پر یہ بات کہی گئی ہے:

’’آئینی و قانونی دفعات اور عدالتی نظائر کی اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ احمدیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بعد انہیں آئین اور قانون کے مطابق اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے اور اس کے اظہار اور اُس کی تبلیغ کا حق اس شرط کے ساتھ حاصل ہے کہ وہ عوامی سطح پر مسلمانوں کی دینی اصطلاحات استعمال نہیں کریں گے‘ نہ عوامی سطح پر خود کو مسلمانوں کے طور پر پیش کریں گے۔ تاہم اپنے گھروں‘ عبادت گاہوں اور اپنے نجی مخصوص اداروں کے اندر انہیں قانون کے تحت مقرر کردہ ’’معقول قیود‘‘ کے اندر ’’گھر کی خلوت‘‘ کا حق حاصل ہے۔‘‘

مندرجہ بالا پیراگراف کے خط کشیدہ الفاظ دفعہ ۲۹۸۔سی کے ان الفاظ سے کُلی طور پر متصادم ہیں‘ جن میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے:

"Any person of the Qadiyani group or the Lahori group, who directly or indirectly preaches or propagates his faith as Islam, or invites others to accept his faith."

عدالت نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

’’قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی شخص جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے مذہب کی تبلیغ یا پرچار کرے یا دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے۔‘‘

اس دفعہ میں تبلیغ کی دو صورتیں ’’preaches or propagates‘‘ (یعنی دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے) الگ الگ ذکر کر کے دونوں کو قابلِ سزا قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قانون میں کوئی لفظ بے مقصد (redundant) نہیں ہوتا‘ اس لیے یہ دونوں قسمیں الگ الگ بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح ’’نجی مخصوص اداروں‘‘ کا جو لفظ نظر ثانی فیصلے میں ذکر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے: ’’اُن میں انہیں ’’گھر کی خلوت‘‘ کا حق حاصل ہے‘ یہ بھی مذکورہ دفعہ کے خلاف ہے‘ اس لیے کہ ادارہ کوئی نجی گھر نہیں ہوتا۔ ’’ظہیر الدین بنام ریاست‘‘ مقدمے میں جسٹس سلیم اختر کے اضافی نوٹ میں کہا گیا ہے:

"The above restrictions clearly mean such activities which might have been performed in the public or in public view and not those to be performed in the private."

اس میں واضح کر دیا گیا ہے: ’’جو کام ’’پبلک ویو‘‘ میں کیا جائے‘ وہ پرائیویٹ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ کوئی ادارہ ایسا نہیں ہوتا جس کو ’’پبلک ویو‘‘ میں نہ کہا جا سکے‘ اِلّا یہ کہ کسی خفیہ سرنگ میں واقع ہو۔ اس کے علاوہ قرآنِ کریم کی تحریف یا قادیانیوں کا اپنے آپ کو بطور مسلمان ظاہر کرتے ہوئے اپنے مذہب کا پرچار قانوناً جرم ہے اور ہر وہ کام جو آئین و قانون کی رُو سے ممنوع ہے‘ مثلاً منشیات بیچنا یا ذخیرہ کرنا‘ ملک کے خلاف سازش کرنا‘ کسی کے قتل‘ اِغوا برائے تاوان یا ڈکیتی کی منصوبہ بندی کرنا یا دہشت گردی کا منصوبہ بنانا‘ یہ سب کام نجی ادارے اور گھر کی خلوت میں بھی منع ہیں۔ تو قادیانیت کی تبلیغ جو عام جگہ میں یا عوام کے سامنے قانوناً ممنوع ہے‘ اس کے لیے عوام کو کسی چہار دیواری یا نجی گھر میں جمع کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ الغرض نظر ثانی فیصلے کے پیراگراف ۴۲ کا مذکورہ بالا خط کشیدہ حصہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ سی سے صراحتاً متصادم ہے اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے بعنوان ’’مجیب الرحمٰن‘‘ کے بھی خلاف ہے‘ جبکہ سپریم کورٹ نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس کی پابندی سپریم کورٹ پر لازم ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور قرآن وسُنّت سے شواہد بھی پیش کیے ہیں‘ یہ بھی قابلِ تحسین ہے‘ لیکن اگر یہ نہ بھی ہوتا تو یہ عقیدہ اُمّتِ مُسلمہ میں حتمی‘ قطعی اور مسلّمات میں سے ہے۔ البتہ صرف نظریاتی طور پر (theoretically) ذکر کرنے سے اس کا تقاضا ہرگز پورا نہیں ہوتا جب تک اس کی آئینی‘ قانونی‘ عدالتی اور انتظامی امور میں باقاعدہ تطبیق (application) نہ کی جائے۔ سو اس نظر ثانی فیصلے میں اصل سقم یہی ہے‘ ورنہ اپنی فاسد اور باطل تاویلات کے ساتھ محض لفظی اعتبار سے تو مرزا غلام قادیانی بھی کہتا ہے: ’’میں آپ ﷺ کو خاتم النّبیین مانتا ہوں۔‘‘

عدالت نے معترضہ فیصلے کے بارے میں جن حلقوں سے آراء طلب کی تھیں‘ ان کا حق تھا کہ نظر ثانی فیصلے میں اُن کے اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دیا جاتا‘ کیونکہ فیصلے کے مدلّل ہونے کے لیے یہ ضروری بھی تھا۔ لیکن اس بارے میں فیصلے میں تشنگی ہے‘ بلکہ ان نکات سے

تعرض نہ کرنے کے سبب اس فیصلے میں مندرجہ ذیل امور سخت قابلِ اعتراض ہیں:

(۱) معترضہ فیصلے میں اس بات پر سب کا اتفاق تھا: جو آیاتِ کریمہ اس فیصلے میں درج کی گئی تھیں' وہ زیر نظر مقدمے سے قطعی طور پر غیر متعلق ہیں' بلکہ جس سیاق وسباق میں پیش کی گئی تھیں' اُن سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی۔ نظر ثانی فیصلے میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا' بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کے بارے میں یہ تبصرہ فرمایا: ''دین کے معاملے میں جبر کی ممانعت کو تو تسلیم کیا' مگر نہایت احترام سے گزارش ہے کہ اسے اس حد تک محدود کر دیا کہ کسی کو اس کی مرضی کے بغیر اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ فاضل جج کی نظر میں آیتِ کریمہ کا حکم صرف اس حد تک محدود نہیں ہے' بلکہ اس کے مفہوم میں کچھ اور باتیں بھی شامل ہیں' لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا کہ وہ اور باتیں کون سی ہیں جو اس آیتِ کریمہ کے تحت جبر واکراہ میں داخل ہیں۔ اور اگر داخل ہیں تو کس دلیل سے' جبکہ آیت اور اس کا سیاق (context) بتا رہا ہے کہ اس سے مراد یہی ہے کہ کسی پر اسلام قبول کرنے کے لیے زبردستی نہ کی جائے۔ مکمل آیت یہ ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵۶﴾ (البقرة)

''دین قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں ہے' بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو چکی ہے' سو جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے' اس نے ایسا مضبوط دستہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ اور اللہ خوب سننے والا' بہت جاننے والا ہے۔''

یہ آیت اپنے مفہوم پر اتنی واضح ہے کہ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے عدالت کے نوٹس کے جواب میں یہ بھی عرض کیا تھا: ''جبر کے اس مفہوم کو سورۂ یونس میں مزید واضح فرما دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۹۹﴾ (یونس)

''تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔''

ہم سے عدالت نے اس مقدمے پر نظر ثانی کے حوالے سے اعانت طلب کی تھی۔ اس کے جواب میں ہم نے نو صفحات پر مشتمل ایک یادداشت مرتب کر کے بھیجی تھی' لیکن اس میں جو

نکات اٹھائے گئے تھے' ان کے بارے میں نظر ثانی فیصلے میں مندرجہ ذیل کلمات کے سوا کوئی تبصرہ موجود نہیں ہے:

''پانچ اداروں کا مشترکہ موقف جناب مفتی سید حبیب الحق شاہ صاحب نے پڑھا' مگر اس میں بھی زور اس پہلو پر دیا گیا کہ عدالت نے معترضہ حکم نامے میں قرآن مجید کی آیات سے غلط استدلال کیا ہے۔'' (پیراگراف:۱۸)

فاضل جج صاحب کے نزدیک اس تحریر میں زور دیا گیا تھا کہ اس پہلو کی کوئی وضاحت یا اس اعتراض کو تسلیم کرنے کی بابت اس فیصلے میں کوئی بات نہیں ہے۔ حالانکہ اصل زور اس پر نہیں' بلکہ مقدمے میں قانون کے اطلاق پر تھا۔ صرف کونسل کے جواب میں یہ کہا گیا ہے: ''سیاق و سباق کے ساتھ اس کا تعلق سمجھنے کے بجائے کونسل نے اپنی رپورٹ میں ان آیات کا حوالہ دینے کو بے محل قرار دیتے ہوئے کہا'' (پیراگراف:۱۷)۔

سوال یہ ہے: اگر عدالت کی رائے میں اسلامی نظریاتی کونسل کے تمام ارکان اور وہ پانچ ادارے جن سے عدالت نے اعانت طلب کی تھی' ان آیات کے ساتھ مقدمے کے تعلق یعنی سیاق وسباق کو نہیں سمجھ سکے تھے' تو عدالت خود بتلا دیتی کہ ان آیات کا حوالہ اس مقدمے کے سیاق وسباق کے کس طرح مطابق تھا؟ لیکن یہ زحمت بھی گوارا نہیں فرمائی گئی اور اس مقدمے میں ان آیات کے بے محل حوالے سے شرعی احکام اور آئین کے خلاف جو غلط تاثر پیدا ہو رہا ہے' وہ جوں کا توں برقرار ہے۔

پیراگراف ۲۱ میں کہا گیا ہے: ''پانچ اداروں کے مشترکہ موقف میں یہ نکتہ بھی اٹھایا گیا کہ جس تقریب میں ''مسئول عنه'' پر کتب کی تقسیم کا الزام تھا' وہ مدرسة الحفظ' عائشہ اکیڈمی و مدرسة البنات کی تقریب تھی اور ان ناموں سے عام مسلمان دھوکے میں پڑ سکتے ہیں۔ کیا احمدیوں کے ادارے کے لیے ایسا نام رکھنے پر مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ سی کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ سوال عدالت کے سامنے نہیں ہے' نہ ایف آئی آر میں مسئول عنہ پر یہ الزام ہے کہ یہ نام اس نے رکھے تھے۔''

نوٹ: عدالت نے فیصلے میں ''مسئول علیه'' لکھا ہے' صحیح لفظ ''مسئول عنه'' ہے۔

نام رکھنے کا ذکر ہم نے دوسری باتوں سے ہٹ کر تنہا نہیں کیا تھا' بلکہ وہ افعال کے ایک

مجموعے کا حصہ تھا۔ ہم نے لکھا تھا:

''تفسیر کے نام سے جن تین کتابوں کا ذکر ہے' وہ متفقہ طور پر قادیانیوں کی ہیں۔ ان میں قرآن کریم کے اصل متن کے ساتھ خود ساختہ ترجمہ اور تفسیر کر کے معنوی تحریف کی گئی ہے۔ مثلاً: آخرت کے معنی مسلمانوں کے مسلّمہ عقیدہ کے مطابق اتنے واضح ہیں کہ اس کے ترجمے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی' لیکن نام نہاد ''تفسیر صغیر' میں اس کی تشریح ''آئندہ ہونے والی موعود باتوں (مسیح موعود)'' سے کی گئی ہے۔ اس سے انہوں نے اپنے عقیدے کو قرآنِ کریم پر تھوپنے کی کوشش کی ہے کہ العیاذ باللہ! مرزا غلام قادیانی مسیحِ موعود تھا۔''

نوٹ: اگر سپریم کورٹ کے فاضل جج صاحبان اور ان کے معاون عملے کے پاس وقت نہیں ہے' تو ہم ''تفسیر صغیر' میں مزید معنوی تحریفات کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔

یہاں اصل مسئلہ یہ تھا: ان تحریف شدہ نام نہاد تفسیروں اور ترجموں کو پڑھانا دفعہ ۲۹۸ سی میں بیان کردہ جرائم خاص طور پر خط کشیدہ جملوں کے تحت داخل ہے یا نہیں؟ شکایت کنندہ کے نزدیک یہ اعمال دفعہ ۲۹۸ سی کے تحت آتے ہیں' کیونکہ قرآنِ کریم کے عربی متن کے ساتھ تحریف شدہ ترجمہ اور من مانی تفسیر دوسروں کو پڑھانا اور اس کے لیے مدرسة الحفظ کے نام سے مدرسہ قائم کرنا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور قادیانی عقائد کی تبلیغ و تشہیر میں داخل ہے' جبکہ مدرسہ مسلمانوں کی اصطلاح ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ زیر نظر مقدمے میں اس پہلو پر بحث کی جاتی' لیکن تفصیلی بحث کے بغیر معزز عدالت نے حتمی رائے قائم کر لی۔ یہ عدل کے فطری اصولوں کے خلاف ہے' کیونکہ ٹرائل کورٹ میں ابھی شہادتیں پیش کی جا رہی ہیں۔ ملزم کا نہ بیان ریکارڈ ہوا ہے اور نہ اس پر جرح ہوئی ہے اور یہ بحث بھی باقی ہے کہ شہادتوں کی روشنی میں ۲۹۸ سی کا جرم ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ٹرائل کورٹ سے پہلے سپریم کورٹ کو خود ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا تو اس پہلو پر سپریم کورٹ میں تفصیلی بحث ہونی چاہیے تھی۔ انصاف کے اس واضح تقاضے کے باوجود سرسری طور پر یہ کہہ کر اس دفعہ کو حذف کرنے کا حکم دے دیا گیا کہ اگر قرآنی احکام اور آئین کو مدّنظر رکھا جاتا تو مقدمہ درج ہونا ہی نہیں چاہیے تھا' نیز ایف آئی آر' چالان اور فردِ جرم میں ایسے کسی فعل کا ذکر نہیں جو اس دفعہ کے تحت جرم ہوتا ہے' حالانکہ تینوں جگہ ایسے افعال کا ذکر ہے جو واضح طور پر دفعہ ۲۹۸ سی کے تحت آتے ہیں۔

نیز دفعہ ۲۹۵ بی کے بارے میں ہم نے لکھا تھا: ''اس دفعہ کو حذف کرنے کے لیے بھی اس بات پر بحث کرنے کی ضرورت تھی کہ معنوی تحریفات پر مشتمل ایک کتاب کو قرآنِ مجید کہہ کر پڑھانا اور اس کے ٹائٹل پر ایک غیر مسلم کو بطور مترجم ''خليفة المسيح رضي الله عنه'' کہنا اس دفعہ کے اطلاق کے لیے کافی ہے' کیونکہ ''خليفة المسيح'' اور ''رضي الله عنه'' اسلامی اصطلاحات ہیں۔ پس سوال تو پیدا ہوتا ہے: اس دفعہ کے تحت قرآنِ کریم کی تحریف یا بے حرمتی یا اُسے غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرنا کہلائے گا یا نہیں؟'' اس کی تشریح کی بابت فیصلہ خاموش ہے۔ الغرض تمام خدشات سے مکمل صَرفِ نظر کر کے صرف ایک مدرسے کے نام کی بابت جواب دے دینا کہ یہ مسئلہ ہمارے سامنے نہیں ہے' انصاف کے تقاضوں کو کس طرح پورا کر سکتا ہے۔

فیصلے میں کہا گیا ہے: ہم نے ''ظہیر الدین بنام ریاست'' کے فیصلے سے نہ انحراف کیا ہے' نہ کر سکتے تھے۔ جہاں تک اس جملے کا تعلق ہے: ''ہم نے انحراف نہیں کیا'' یہ ایک واقعے کا بھی سوال ہے' جس سے کوئی بھی شخص یہاں تک کہ ماتحت عدالتیں بھی اختلاف کر سکتی ہیں۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہے: اس فیصلے کا پیراگراف ۴۲ قانون' وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے اور ''ظہیر الدین بنام ریاست'' تینوں سے متصادم ہے۔ البتہ اس فقرے کا دوسرا حصہ: ''ہم انحراف نہیں کر سکتے تھے'' ایک قانون کا سوال ہے اور یہ بات درست ہے۔ لہٰذا جیسے اوپر عرض کیا گیا ہے' واقعے کے سوال کے بارے میں قانون اور مذکورہ بالا دو فیصلوں ہی کو برتری حاصل ہے۔

نظر ثانی فیصلے کے پیراگراف ۶ میں ایک بار پھر یہ بحث چھیڑی گئی ہے' جس کا جواب ہم عدالتی اعانت کے لیے اپنے سابق موقف میں دے چکے تھے' وہ یہ کہ آئین کا آرٹیکل ۱۲(۱) کہتا ہے: ''قانون کسی ایسے شخص کو سزا دینے کا اختیار نہیں دے گا:

(ا) کسی ایسے فعل کے ارتکاب یا ترک پر جو اس فعل کے ارتکاب یا ترک کے وقت قابلِ سزا جرم نہیں تھا۔

(ب) کسی جرم کے ارتکاب یا ترک پر ایسی سزا دینا جو ارتکابِ جرم کے وقت نافذ العمل سزا سے زیادہ ہو۔''

یعنی کوئی قانون مؤثر بہ ماضی (retrospective) نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواب ہم معترضہ فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے دے چکے ہیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ اسے پڑھے اور سمجھے بغیر نظرثانی فیصلے میں دوسری بار اسی غلطی کا اعادہ کر دیا گیا ہے کہ ۲۰۱۹ء کے قانون میں قابلِ اعتراض کتاب کے طابع‘ ناشر یا ریکارڈ رکھنے والے اور مرتب کو مجرم قرار دیا گیا تھا‘ جبکہ بعد کو ۲۰۲۱ء کے قانون میں تقسیم کنندہ (disseminator) کو بھی مجرم قرار دے دیا گیا تھا‘ تو عدالت کی نظر میں مبارک ثانی پر ۲۰۲۱ء کے قانون کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کی بابت ہم نے لکھا تھا:

’’اگر جرم وقتی نوعیت کا تھا‘ جس کا ارتکاب کیا گیا اور قصہ ختم ہوگیا تو یقیناً مابعد قانون کا اس پر اطلاق نہیں ہوگا۔ لیکن جرم اگر ایسا ہے کہ نئے قانون کی آمد کے وقت بھی جاری ہے تو یقیناً مابعد قانون کا بھی اس پر اطلاق ہوگا۔ کیا عدالت نے اس بات کی تحقیق کر لی تھی کہ نئے قانون کی آمد کے وقت وہ شخص جرم سے دست بردار ہو چکا تھا یا اس کتاب کی تقسیم روک دی گئی؟ یہ کام اپیلٹ کورٹ کا نہیں بلکہ ٹرائل کورٹ کا ہے۔ اور ٹرائل کورٹ میں تو ابھی مجرم کا بیان ریکارڈ ہوا تھا اور نہ اس پر جرح ہوئی تھی‘ تو سپریم کورٹ نے یہ رائے کیسے قائم کر لی؟

اس پیراگراف میں النساء: ۲۳ سے بھی غلط استدلال کیا گیا ہے۔ وہاں محرماتِ نکاح کا بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ’’ماضی (زمانۂ جاہلیت) میں جو ہو چکا‘ سو ہو چکا‘ اُن سے ہونے والی اولاد صحیح النسب قرار پائے گی‘ لیکن حرمتِ نکاح کی آیت نازل ہوتے وقت اگر کسی کے نکاح میں بدستور صُلبی بیٹے کی مطلقہ بیوی یا بیک وقت دو بہنیں نکاح میں ہیں‘ تو صُلبی بیٹے کی مطلقہ بیوی اور اس شخص میں فوراً تفریق کر دی جائے گی اور دو بہنوں میں سے ایک کو چھوڑنا ہوگا۔‘‘ الغرض اگر محرمات سے سابق نکاح بدستور قائم ہے تو حرمت نکاح کے اس قرآنی حکم کا لازماً اس پر بھی اطلاق ہوگا۔

نوٹ: ہم بصد ادب علمائے کرام اور خطبائے عظام سے گزارش کرتے ہیں کہ ختم نبوت اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے‘ اس پر ایمان لائے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا عدالتی فیصلے پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں متانت‘ وقار اور اسلامی اخلاقیات کا پاس رکھنا چاہیے۔ تہذیب سے گری ہوئی گفتگو اور گالی گلوچ سے حاملینِ دین کے بارے میں منفی تاثر پیدا ہوتا ہے اور یہ ہمارے عظیم ترین مقصد کے لیے نقصان دہ ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی
صدر
جامعہ دارالعلوم کراچی

مفتی منیب الرحمٰن
رئیس دارالافتاء و مہتمم
دارالعلوم جامعہ نعیمیہ کراچی

تصدیقات و توثیقات

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

مولانا یٰسین ظفر
ناظم اعلیٰ‘ جامعہ سلفیہ فیصل آباد

مولانا عبدالمالک
صدر رابطۃ المدارس الاسلامیہ

علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی
علامہ سید مظفر شاہ قادری
علامہ رضوان احمد نقشبندی
صاحبزادہ ریحان امجد نعمانی
علامہ مفتی عابد مبارک مدنی
علامہ احمد علی سعیدی
علامہ لیاقت حسین اظہری
علامہ مفتی ندیم اقبال سعیدی
علامہ حافظ عبداللہ ضیائی
علامہ صابر حسین نورانی
علامہ مفتی محمد عبداللہ نورانی
علامہ قاری عبدالقیوم محمود
علامہ حافظ محمد اویس نقشبندی
علامہ محمد اشرف گورمانی
علامہ مولانا رفیع الرحمٰن نورانی
علامہ حافظ عبداللہ نورانی
علامہ احمد ربانی افغانی
علامہ سید ریاض حسین اشرفی
علامہ بلال سلیم قادری

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘ آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

اسرائیل وصہیون مخالف ناطوری یہود

محمود الحسن عالمی ☆

’’ناطوری کارتا‘‘(Neturei Karta) یہودیوں کا وہ مذہبی مکتبِ فکر ہے جو قیامِ اسرائیل ۱۹۴۸ء سے آج تک نہ صرف ریاست وحکومت اسرائیل کا سخت مخالف ہے‘ بلکہ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے تقریباً عین وہی موقف رکھتا ہے جو پوری اُمتِ مُسلمہ کا ہے۔یعنی مسلمانوں کا نہ صرف یروشلم‘ مسجد اقصیٰ وگنبد صخرہ پر حق ہے بلکہ تمام فلسطینی مسلمان اُس ساری سرزمین پر بھی حق ملکیت رکھتے ہیں کہ جو تقسیم فلسطین سے پہلے اپنی وسیع سرحدی حد بندیوں کے ساتھ قائم ودائم تھی۔

مسئلہ فلسطین کے حوالے سے ناطوری یہود کا یہ موقف اپنے فکری پس منظر میں دو بنیادی عقائد رکھتا ہے۔اول یہ کہ اِس فرقے کے مذہبی عقیدے کے مطابق یہودی مذہبی کتب کی مستند آیات واقوال سے یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہودی مسیحا کے آنے سے پہلے کسی بھی سطح پر یہودیوں کا ایک نظم قائم کرتے ہوئے یہودی ریاست بنانا حرام ہے کیونکہ خدا نے قربِ قیامت میں مسیحا کی آمد سے پہلے تک یہودیوں کے مقدر میں بطورِ سزا دربدر کی خاک نشینی لکھ دی ہوئی ہے۔لہٰذا اِسی مقدمے کی بنیاد پر صہیونیت نواز مملکتِ یہود ’’اسرائیل‘‘ کا قیام خداوند یکتا کے خلاف اعلانِ جنگ‘ نافرمانی اور صریح بغاوت ہے۔

دوم یہ کہ یہ یہودی فرقہ اسرائیلی حکومت و اقتدار کی حامل قومی تحریک ’’صہیونیت‘‘ (Zionism) کا بھی سخت نظریاتی مخالف اور عملی دشمن ہے۔یہودی مذہبی کتب کی تعلیمات کی روشنی میں صہیونیت کو سرے سے مذہبِ یہودیت سے خارج ومرتد سمجھتا ہے۔صہیونی اسرائیل کی طرف سے کیے جانے والے مظالم اور پورے صہیونی مکتب کی سخت ترین مذمت کرتا ہے۔مختلف ذرائع جیسے اسرائیل مخالف اسلامی ممالک خصوصاً ایران وعرب کے مسلم رہنماؤں سے ملاقاتوں‘

☆ای میل:mehmoodulhassan099@gmail.com

پریس کانفرنسز‘ لیکچرز‘ انٹرویوز‘ کتب ومضامین‘ مغربی ممالک میں پُرزور احتجاجی مظاہروں اور سوشل میڈیا کی سرگرمیوں کے ذریعے پُرزور عملی مزاحمت بھی کرتا ہے۔ان میں خصوصاً ’’بین الاقوامی کانفرنس برائے تجزیہ ہولوکاسٹ : عالمی نقطہ نظر ۲۰۰۶ء‘‘ اور ۲۰۲۳ء میں فلسطینی اسلامی جہاد (پی آئی جے) کے ممتاز عہدیداروں اور فلسطینی عسکریت پسندوں کے اہل خانہ سے ملاقاتیں قابلِ ذکر ہیں۔ان تمام تر ملاقاتوں اور کانفرنسز کے ردِّعمل کے طور پر اسرائیلی حکومت نے ناطوری یہود کے خلاف سخت ترین کارروائیاں کی ہیں۔مغربی ممالک میں احتجاجی مظاہروں کے حوالے سے اسرائیلی ایامِ مظالم سے اسرائیل کے یوم آزادی تک صہیونیت مخالف نعرے‘ تقریریں اور اسرائیلی وصہیونی نمائندہ پرچموں کو جلانا خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔سوشل میڈیا کے حوالے سے یوٹیوب‘ فیس بک‘ انسٹاگرام اور ٹویٹر وغیرہ پر ’’ناطوری کارتا‘‘ نامی پلیٹ فارمز خصوصاً گوگل آفیشل ویب سائٹس https://www.nkusa.org/ قابلِ توجہ ہے۔

’’ناطوری کارتا‘‘ کی بطورِ ایک باقاعدہ عالمی تحریک کے بنیاد یہودی ربی ’’عمرام بلاؤ‘‘ اور ’’ہارون کٹز نیلن بوگن‘‘ نے ۱۹۳۸ء میں رکھی تھی۔تب سے آج تک یہ اپنے اسرائیل وصہیونیت مخالف ایجنڈے اور سرگرمیوں کے حوالے سے پوری دنیا میں مصروفِ عمل ہے۔ناطوری یہود کے ارکان پوری دنیا بالخصوص اسرائیل‘ امریکہ‘ برطانیہ اور اہم یورپی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔اِن کی درست تعداد کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مختلف ممالک میں منتشر ہونے کے باعث کبھی اِن کی باقاعدہ مردم شماری ہی نہیں ہو پائی۔البتہ ناطوری کارتا اپنے ارکان کی تعداد اچھی خاصی بتاتے ہیں اور یہ موقف اختیار کیے ہوئے ہیں کہ اسرائیلی اور مغربی ذرائع ابلاغ ان کے نقطہ نظر کو دبانے کے لیے جان بوجھ کر ان کی تعداد کو کم دکھاتے ہیں۔

’’ناطوری کارتا یہود‘‘ نے اپنی ویب سائٹ پر سوال وجواب پر مبنی انٹرویوز کو مضامین کی شکل میں شائع کیا ہوا ہے۔ان میں چند بنیادی اور اہم معلومات کا اُردو ترجمہ پیش ہے:

☆ آپ کون لوگ ہیں؟

ہم وہ بنیاد پسند یہودی ہیں جو اصل یہودی قدیم عقائد اور تورات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

☆ آپ کا مقصد کیا ہے؟

ہمارا مقصد دنیا کو اُس حقیقت سے آگاہ کرنا ہے جو ہر کوئی نہیں جانتا۔یہ حقیقت کہ اصل

یہودیت صہیونیت کے تصور اور صہیونی ریاست دونوں سے ہرگز متفق نہیں ہے۔ یہودیت اور صہیونیت ایک دوسرے سے ایسے ہی متضاد ہیں جیسے دن اور رات۔

☆ کیا یہ سچ ہے کہ سرزمین مقدس (یعنی فلسطین) کے حوالے سے ناطوری کارتا نامی عالمی تنظیم فلسطینیوں کے حق خودارادیت کی حمایت کرتی ہے؟

بالکل! ہمارا جواب واضح طور پر ''ہاں'' ہے' البتہ اس جواب کے سلسلے میں کچھ پیشگی وضاحت درکار ہے۔ ہم بنیادی طور پر ایک صہیونیت مخالف بنیاد پسند تنظیم ہیں' لہٰذا ہمارا صہیونیت کے ساتھ تنازعہ بھی کئی سطحوں پر ہے:

(i) صہیونیت اصل یہودی مذہب و روحانیت سے یہودی وطن پرستی اور مادیت پرستی کی طرف نظریے کی منتقلی کا نام ہے۔

(ii) صہیونیت نے فلسطینی عوام کے ساتھ انتہائی بُرا سلوک برتتے ہوئے سنگین اخلاقی جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔

(iii) خداوند یکتا نے ہمیں یہودی مسیحا کے آنے تک جلاوطنی کا حکم دیتے ہوئے یہ پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اب دوبارہ کوئی یہودی ریاست بنانا ہم پر عین حرام ہے۔

(iv) ''نظریۂ صہیونیت خدائی آزمائش و سزا سے بغاوت کرتے ہوئے سرزمین فلسطین پر یہودی ریاست کا قیام عمل میں لاتا ہے۔ اِسی بات سے یہ اندازہ لگایئے کہ خدائی نافرمانی وبغاوت کے مرتکب اِس صہیونی گروہ کی اخلاقی اقدار کیا ہوں گی کہ انہوں نے یہودیوں کی جلاوطنی کے الہامی حکم کو محض چند دنیاوی مفادات کی خاطر کچل ڈالا۔

(v) صہیونیت نے اصل یہودی روایتی عقائد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔

☆ آپ کس چیز کی وکالت کرتے ہیں؟

ہم بغیر کسی سمجھوتے و مصالحت پسندی کے ''اسرائیل'' کی ریاست کا پُرامن خاتمہ چاہتے ہیں کہ جب ایک بار ایسا ہو جائے تو پھر یہ فیصلہ ہم مکمل طور پر فلسطینی رہنماؤں اور عوام پر چھوڑتے ہیں کہ وہ یہاں کتنے یہودیوں کو رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔

☆ کیا آپ اس امر سے خوف زدہ نہیں کہ اِس تجویز سے سرزمین مقدس پر رہنے والے

یہودیوں پر کیا اثرات مرتّب ہوں گے؟

ہمیں اس کا اندازہ ہے' لیکن موجودہ مایوس کن صورت حال کا کوئی اور حل ممکن نہیں۔

ہماری اپنی ہی آستینوں کے سانپ اِن صہیونی یہودیوں نے تقریباً سات دہائیوں میں متعدد جنگوں اور نہ ختم ہونے والی دہشت گردی کے ذریعے بے گناہ شہریوں کو مارنے کے باوجود مسئلہ فلسطین کو نہیں سلجھایا۔ دائیں اور بائیں دونوں اطراف کے سیاست دان اس صورت حال کو سنبھالنے میں انتہائی برے طریقے سے ناکام رہے۔ لہٰذا ہم اِن کی اسی ناکامی کے پیشِ نظر یہ متبادل حل پیش کر رہے ہیں' جو بے شک اسرائیل کے عام یہودیوں کے لیے عارضی طور پر ایک الم ناک تجربہ ہو سکتا ہے۔

☆ کیا یہودی ایک الگ وطن کے مستحق نہیں ہیں؟

ہرگز نہیں! تقریباً ایک ہزار نو سو سال تک یہودی مذہب کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ ہمیں کسی بھی قسم کی عسکری قوت کے ذریعے کسی بھی خطۂ زمین پر ملکیت کا دعویٰ ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ یہودیوں کا یہ ایمان تھا کہ قربِ قیامت میں جب خالق کائنات تمام نوعِ انسانی کی نجات کا ارادہ فرمائے گا تو سب انسان اِس کی عبادت میں شریک ہو جائیں گے۔ لہٰذا اِس عبادت کے اہتمام میں ہمیں کسی بھی قسم کے لوگوں کو بے دخل کرنے یا محکوم بنانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ یہی وہ وقت ہو گا کہ جب سرزمین مقدس ''فلسطین'' میں عالمی بھائی چارے کا ایک روحانی مرکز قائم ہو گا۔ اُس وقت سے پہلے یہودیوں کو اپنی جلاوطنی کے عرصے میں خاص اعمال سونپے گئے ہیں۔

☆ وہ خاص اعمال کیا ہیں؟

یہی کہ یہودی اپنے پورے ایمان وخلوص کے ساتھ اپنی جلاوطنی کا اقرار کرے اور اپنے قول وفعل سے خاموشی و انکساری کی روش اپنائے۔ اخلاقی اور روحانی مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اکثر تورات کی تلاوت کرتے ہوئے خداوند یکتا کے حضور بندگی بجا لائے۔ نمازیں پڑھے اور دیگر نیک اعمال انجام دے۔

☆ آپ نے اس مقصد کے لیے کیا کیا کوششیں کی ہیں؟

خداوند قادر مطلق کی مدد و نصرت سے ہم نے فلسطینی دعووں کی حمایت اور اُن کے دکھ درد میں اظہارِ ہمدردی کے لیے کئی بیانات شائع کیے ہیں۔ ہم اسرائیلی مظالم کے خلاف احتجاج

میں ہمیشہ فلسطینیوں کے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں خصوصی طور پر یہودی اور اسلامی دنیا میں عوامی رابطے برقرار رکھنے کی کوششیں کی گئی ہیں‘ تاکہ خداوند قادرِ مطلق کی مدد سے عملی طور پر یہودیوں کی مقدس روایات اور صہیونیت مخالف تورات کو فراموش نہ کیا جاسکے۔ ہم خداوند یکتا سے اُمید کرتے ہیں کہ مستقبل قریب میں تورات کی صحیح تعلیمات پر مبنی راستے کا دوبارہ احیاء ہو جائے گا۔

☆ امن و امان کے قیام کے لیے اوسلو معاہدے‘ سڑکوں کے نقشے اور انیپولس معاہدے کو آپ کس زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

مصیبت زدہ فلسطینیوں کے لیے کسی بھی قسم کی کوئی مدد اُس اخلاص کا ثبوت ہے کہ جس کا حامل ہر یہودی کو ہونا چاہیے۔ تاہم قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہ تمام تر منصوبے نیک نیتی پر مبنی ہونے کے باوجود عملی طور پر مطلوبہ نتائج فراہم نہیں کرتے۔ یہودیوں کو سرزمین مقدس پر سیاسی حاکمیت کے حوالے سے زور آزمائی کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ تمام انسانوں کے ساتھ امن و امان قائم رکھنے اور کسی بھی انسان پر ظلم کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ لہٰذا اِن احکام کی روشنی میں تمام یہودیوں پر لازم ہے کہ وہ فلسطینیوں کے حقوق کی مکمل بحالی کرتے ہوئے سارے فلسطین کو آزاد کر دیں۔ یہی آزادی صہیونی تحریک کی بدنامی اور عملی ناکامی کا مقدر بنے گی۔

☆ اسلامی دنیا کے لیے یہودی نقطہ نظر کیا ہونا چاہیے؟

یہودیوں کو تمام انسانوں کے ساتھ اخلاق اور ایمان داری کے ساتھ نمٹنے کے لیے کہا گیا ہے۔ صہیونیت نے بہت سے یہودیوں کو فلسطینی عوام کے خلاف جارحیت پر مبنی کارروائیوں کے حوالے سے گمراہ کیا ہے۔ لہٰذا تمام یہودیوں کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ اس صورت حال کی اصلاح کے پیش نظر تمام اسلامی دنیا بالخصوص فلسطینی عوام سے ’امن‘ مفاہمت اور مذاکرات کے لیے رابطے قائم کریں۔ یہ امر یہودیوں کے لیے ایک عظیم روحانی آزمائش کا درجہ رکھتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کتنے اچھے تعلقات قائم کر کے دکھاتے ہیں۔

☆ حقیقت پسندی کے تناظر میں یہ بتائیے کہ کیا آپ کے اِس سارے پروگرام پر عمل درآمد کا کوئی امکان بھی ہے؟

اوّل تو یہ کہ بے شک خالقِ کائنات ہی اِس دنیا کو چلاتا ہے‘ پس اُسی کی حمایت و نصرت

کے ساتھ سب کچھ ممکن ہے کہ آخر کار حق و انصاف غالب آ جائے۔ دوم یہ کہ دنیا بھر کے یہودیوں میں اسرائیلی ریاست اور صہیونیت دونوں کے لیے بالعموم بے زاری اور تھکن کے شدید احساسات و جذبات پائے جاتے ہیں۔ بہت سے یہودی سمجھتے ہیں کہ روحانی و اخلاقی سطح پر صہیونیت کی پیروی کے اصول انہیں ایک کڑی اذیت میں مبتلا کر رہے ہیں‘ لہٰذا وہ کسی دوسرے برحق راستے کے لیے در بدر بھٹک رہے ہیں۔ درحقیقت یہ وہی راستہ ہے کہ جو ہمارا لائحۂ عمل ہے۔ ہمارا راستہ تیزی سے ایک معقول دلیل کے طور پر اُبھر کر سامنے آ رہا ہے۔ وہ دن اب زیادہ دور نہیں‘ اور خالقِ کائنات سے ہم یہ دعا اور اُمید رکھتے ہیں کہ جب نہ کسی یہودی کا خون بہایا جائے گا اور نہ ہی کسی عرب کا۔ ہم اُس دن کے انتظار میں تڑپ رہے ہیں جب یہودیوں کو یہ احساس ہوگا کہ ان کے لیے امن و امان کا واحد راستہ جلاوطنی اختیار کرتے ہوئے تفویض کردہ اخلاقی و روحانی اعمال کی طرف لوٹنا ہی ہے۔ اخلاقیات‘ سلامتی و ایمان داری کے حصول کے لیے انہیں خالق کائنات کی شرک سے بالکل پاک عبادت اور عقیدت اختیار کرنا ہوگی۔ بالآخر ہم یہی چاہتے ہیں اور اُس دن کے لیے دعا گو بھی ہیں کہ جب سارے عالم میں ہمیں وحدت کا منظر دکھائی دے اور تمام اقوامِ عالم پورے خلوصِ دل کے ساتھ ایک ہو جائیں۔ زبور مقدس میں فرمایا گیا ہے: ’’تمام قومیں اور حکومتیں مل کر حق تعالیٰ کی عبادت کے لیے جمع ہوں گی۔‘‘ (۱۰۲:۲۳)۔ خدا ہم سب کو یہ دن جلد دکھائے۔ آمین!

☆ صہیون کیا ہے اور صہیونیت سے کیا مراد ہے؟

صہیون (Zion) تورات میں یروشلم کے لیے استعمال ہوا ہے جبکہ صہیونیت (Zionism) وہ اصطلاح ہے جسے ۱۸۹۰ء کی دہائی میں قائم ہونے والی غیر مذہبی یہودیوں کی ایک تحریک نے اپنایا۔ اِس تحریک کا مقصد یہودیت کے معنی کو بدلنا اور یہودی تاریخ کے دھارے میں انقلاب لانا تھا۔ یہودیت کو روحانیت‘ مذہب اور تقدس سے دور کر کے مادیت پسندی اور قوم پرستی کی طرف لے جانا اور خداوند مطلق کو اپنی عملی زندگی سے مکمل طور پر نکالنا تھا۔ انہوں نے یہودیوں کی جلاوطنی کے مسئلے کے لیے بدعت پر مبنی ایک عسکری اور سیاسی حل پیش کیا اور پھر فلسطین کی مسلم آبادیوں کے حقوق کی پرواہ کیے بغیر بڑے پیمانے پر یہودیوں کو فلسطین میں لا کر آباد کر دیا۔ فلسطینی مسلم آبادیوں کی بیخ کنی کے لیے فوجی حکمت عملی سے کام لیا گیا۔ حتیٰ کہ یہ جھوٹا

دعویٰ تک کر ڈالا کہ صرف اُن کی تحریک یعنی صہیونیت پر قائم رہنا ہی یہودی ہونے کا معیار ہے۔ اگر کوئی اس تحریک سے بغاوت کرے گا تو وہ یہودی قوم اور یہودیت دونوں سے بغاوت کا مرتکب ہوگا۔ یعنی اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شخص خداوند یکتا اور اس کی تورات پر ایمان رکھتا ہے کہ نہیں! فرق بس اس سے پڑتا ہے کہ وہ صہیونیت سے وفادار ہے کہ نہیں!

۱۹۴۸ء میں صہیونیوں نے اپنا مقصد حاصل کرتے ہوئے فلسطین میں ایک ریاست کی بنیاد رکھی اور تقریباً ۷۵۰,۰۰۰ فلسطینیوں کو یوں اکھاڑ پھینکا گیا کہ ان کی زمینیں تک ضبط کر لی گئیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت صہیونیوں کے ہاتھوں ۱۲۰۰۰ کے قریب عرب ہلاک ہوئے، کئی فلسطینی قصبوں اور دیہاتوں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔ ظلم و بربریت کی سنگینی کا اندازہ اِس بات سے لگایئے کہ اُس وقت کے ایک فوجی کمانڈر موشے دایان نے عرب فلسطینیوں کو اُن کے گاؤں سے نکالنے کے لیے گھروں کو بلڈوز کرنے، پانی کے کنوؤں کو ٹائفس اور پیچش جیسے مہلک امراض کے جراثیموں کے ساتھ ناقابلِ استعمال بنانے کا حکم دے دیا۔

دوسرے ممالک سے آئے یہودیوں کو صہیونی نظام سے ہم آہنگ کرنے کے لیے برین واشنگ کی گئی۔ یہودیوں کو اِس بات پر قائل کیا گیا کہ ان کی جلاوطنی کو فوجی طاقت سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ انہیں خوف زدہ کیا گیا کہ نازیوں کی طرح عرب بھی یہودیوں سے نفرت کرتے ہیں اور انہیں سمندر میں غرق کر دیں گے۔ یوں دوسرے ہولوکاسٹ کا فوبیا پھیلایا گیا۔

خداوند یکتا کا شکر ہے کہ یہودیوں کا ایک اہم طبقہ صہیونیت کا شکار نہیں ہوا۔ وہ تورات کے قوانین کو برقرار رکھتے ہوئے صہیونیت اور ریاست ’’اسرائیل‘‘ کی مکمل مخالفت میں ثابت قدم ہے۔ آج تک فلسطین پر صہیونیوں کا قبضہ جاری ہے۔ ان کی پالیسیوں نے اسرائیل کو پوری دنیا میں تنہا کر دیا ہے۔ صہیونیت آج عالمی سطح پر سامیت دشمنی (یہود دشمنی) کو بڑھانے کا سب سے بڑا محرک ہے۔

☆ اگر واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو صہیونیت کے خلاف یہودیوں کی ایک زوردار تحریک چلنی چاہیے تھی۔ اس کے بجائے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے یہودی اور بالخصوص ربی (علمائے یہود) بھی صہیونیت کی حمایت کرتے ہیں؟

درحقیقت دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء) سے قبل صہیونیت کے خلاف مذہبی یہودیوں نے

ایک تحریک برپا کی تھی۔ تقریباً تمام ربی اور ان کے پیروکار صہیونیت کی مخالفت میں نہایت سرگرم تھے۔ بدقسمتی سے اِن میں سے اکثر یہودی سانحۂ ہولوکاسٹ میں مارے گئے۔ زندہ بچ جانے والے یہودی تنہا، یتیم اور بے سہارا ہو کر صہیونیت کے سراب میں اُلجھنے لگے۔ نیز یہ کہ ایک طویل جنگ نے صہیونیت کے بعض مخالفین کو بھی اِس خوف میں مبتلا کر دیا تھا کہ یہودیوں کی جان بچانے کے لیے شاید فلسطینیوں کے خلاف جنگ وجدل کی حمایت کرنا ضروری ہے۔

☆ جنگ عظیم دوم کے سانحۂ ہولوکاسٹ سے پہلے مذہبی یہودیوں کا صہیونیت پر کیا ردِّعمل تھا؟

شروعات ہی سے تقریباً تمام بنیاد پسند علمائے یہود اور اُن کے پیروکاروں نے صہیونی تحریک کی شدید مذمت کی ہے، کیونکہ یہ تحریک ہر اُس چیز کو اکھاڑ پھینکنے آئی تھی جس کی جڑیں یہودیت سے وابستہ ہیں۔ صہیونیوں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ سرزمین مقدس پر یہودیوں کی بہتر زندگی کے لیے کوشاں ہیں، لیکن ہمارے ربیوں نے اِس فریبِ نظر سے بچتے ہوئے صہیونیت کو ایک ایسی مسیحی اور تورات مخالف تحریک کے طور پر فوراً پہچان لیا جو عالمی سطح پر یہودیوں کے بین الاقوامی تعلقات کو خطرے میں ڈالے گی۔ ایک ایسی بنیاد پسند یہودی برادری صدیوں سے فلسطین میں موجود تھی کہ جس کے ربی خاص طور پر صہیونیت کی شدید مذمت کرتے تھے۔ اِس برادری کے یہودیوں نے فلسطینی عربوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے یہ پیش گوئی بھی کی تھی کہ صہیونیت آخر کار اس دوستی کو ختم کر دے گی۔ وہ مقدس سرزمین کی اس بے حرمتی پر بھی خوف زدہ تھے جو غیر مذہبی صہیونیوں کی بڑی تعداد میں آبادکاری کا نتیجہ تھی۔

اِس ساری صورتِ حال کے پیشِ نظر مختلف ممالک کے یہودی علماء نے باہمی ملاقاتیں کیں کہ اب کیا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ صہیونیت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے روس، پولینڈ اور جرمنی میں ’’اگوداتھ اسرائیل‘‘ نامی ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ آسٹریا اور ہنگری کے بنیاد پسند ربیوں نے اپنے پیروکاروں کو صہیونی تحریک میں شامل ہونے سے منع کیا۔ فلسطین میں یروشلم کی Edah Hachareidis صہیونی قومی کونسل کے متبادل کے طور پر قائم کی گئی اور ایک آزاد کابینہ کی بنیاد رکھی گئی۔

تاہم دوسری جنگِ عظیم (ہولوکاسٹ) میں یورپی یہودیوں کی تباہی کے بعد صہیونیوں نے مذہبی یہودیوں کو اپنی تحریک میں پھنسانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جو بنیاد پسند علمائے

یہود اور فرقے بچ گئے تھے‘ اُن کا صفایا کر دیا گیا۔ زندہ بچ جانے والے خود کو بے دفاع اور کمزور محسوس کرنے لگ گئے۔ یوں ’’یہودی لوگوں کا دفاع‘‘ نعرے سے ایک صہیونی ریاست کے قیام کی طرف پیش قدمی ہوئی۔ مزید برآں صہیونیوں نے یہودی عوام کے اندر اپنی مخالفت کو کچلنے کے لیے وحشیانہ طریقے استعمال کیے۔ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے ڈاکٹر یاکوف یسروئیل ڈیہان کو قتل کر دیا‘ جو کہ یروشلم کی صہیون مخالف تنظیم کے سپیکر اور سفارت کار تھے۔ یہودیوں کے پُرامن مظاہروں کو روکنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا گیا‘ اور ایک جلسے کے دوران ربی پنچاس سیگیلوف کو سرعام قتل کر دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں‘ انہوں نے یروشلم میں کئی دہائیوں سے آباد ربیوں پر گولیاں چلائیں جو اردنی فوجیوں کے ساتھ صلح کرنے کے لیے نکلے تھے۔ ربی عمرام بلاؤ (۱۸۹۴ء۔ ۱۹۷۴ء) یروشلم میں ایک ممتاز صہیونی مخالف رہنما تھے جنہیں اپنی جدوجُہد کے دوران کئی بار قاتلانہ حملوں کا سامنا ہوا۔ آخر کار انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔

اِن سب مظالم کو سہنے کے باوجود آج بھی دنیا بھر میں بہت سے ایسے یہودی مذہبی فرقے‘ تنظیمیں اور تورات کے مدارس باقی ہیں جن میں اصل یہودی عقیدے کی تعلیم دی جاتی ہے اور صہیونیت کی مذمت کی جاتی ہے۔ صہیونیت مخالف یہودیوں نے امریکہ‘ فلسطین اور دیگر ممالک میں صہیونی حکومت اور اس کے فیصلوں کے خلاف بے شمار مظاہرے کیے ہیں۔ ان کے بہادر رہنما صہیونیوں کی دھمکیوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور مظلوموں کی آواز کو آج تک خاموش نہیں ہونے دے رہے۔ اسرائیلی ریاست اور دیگر جگہوں پر یہودیوں کے ایسے بڑے گروہ وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں کہ جو صہیونی یوم آزادی نہیں مناتے‘ صہیونی پرچم نہیں لہراتے اور صہیونی فوج میں خدمات انجام نہیں دیتے۔

☆ آپ کے علم میں ہے کہ ہولوکاسٹ ہوا تھا۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ یہودیوں کو اپنی حفاظت کے لیے کسی قسم کی قوت کی ضرورت ہے؟

اوّل‘ کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ صہیونی اُن جرمن نازیوں سے مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ جن کو شکست دینے کے لیے پانچ بڑی عالمی قوتوں یعنی امریکہ‘ برطانیہ‘ فرانس‘ روس اور چین کو چھ سال لگ گئے تھے؟

دوم‘ اصل سوال یہ ہے کہ کیا صہیونی ہولوکاسٹ کے دوران واقعی یہودیوں کی حفاظت کرنا

چاہتے تھے‘ جب کہ وہ یہودیوں کی حفاظت کے لیے عملی اقدامات اٹھانے کی سکت بھی رکھتے تھے؟ مثال کے طور پر وہ اتحادیوں پر کچھ اِس طرح کا دباؤ ڈال سکتے تھے کہ ان کی افواج یہودی قتل گاہوں پر بمباری کریں۔ لیکن انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ یہودیوں کو نازیوں کے ظلم سے بچانے کے لیے مالی مدد فراہم کرنے سے بھی مکمل طور پر انکار کر دیا۔ کچھ واقعات میں تو صہیونیوں کے نازیوں کے ساتھ تعاون کے بھی واضح ثبوت ملتے ہیں۔ یہ ثبوت دستاویزات‘ پمفلٹس اور کتب کی شکل میں ناطوری یہود کی ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

سوم‘ ہم دیکھتے ہیں کہ صہیونی حماس‘ حزب اللہ اور اِس جیسی دیگر کمزور تنظیموں سے بھی اپنا دفاع نہیں کر پا رہے ہیں تو پھر وہ جرمنی جیسے طاقتور ملک کے خلاف یہودیوں کی حفاظت کیسے کر سکتے تھے؟

چوتھی بات یہ کہ اگر دنیا میں کہیں یہود دشمنی پھیلتی ہے تو صہیونی اِس جگہ ان کی مدد کو نہیں پہنچتے۔ وہ اِس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی مظلومیت کا رونا روتے ہوئے خوب پروپیگنڈا کرتے ہیں تاکہ غیر اسرائیلی یہودیوں کو اسرائیلی ریاست میں پناہ ملنے کی ترغیب مل سکے۔

پانچویں بات یہ کہ سیاسی صہیونیت کے بانی (تھیوڈور ہرزل) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ’’نئی یہودی ریاست کے قیام کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں یہود دشمنی کی آگ کے الاؤ کو روشن کیا جائے اور اسے یہودیوں کے پاؤں تلے رکھ دیا جائے‘ تاکہ وہ اُس سرزمین کی طرف بھاگیں جو صہیونیوں کو ملے گی۔‘‘ یہ بالکل وہی حربہ ہے‘ جس کے ذریعے ہولوکاسٹ عمل میں لایا گیا‘ لیکن آج وہ اسے اپنے پروپیگنڈے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

آخری بات یہ کہ تاریخ نے ہمیں دکھایا ہے کہ یہودی صہیونیوں کے تحفظ کے بغیر بھی رہ سکتے ہیں۔ صہیونیوں کے حصولِ اقتدار سے پہلے یہودی دنیا میں عام طور پر امن سے رہ رہے تھے‘ جبکہ آج ان کی ریاست دنیا کی اُن چند جگہوں میں شمار کی جاتی ہے جہاں مسلسل تشدد ہو رہا ہے۔ صہیونی اپنی ریاست کے علاوہ بھی باقی دنیا میں بھرپور شر پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعے پر چیخ چیخ کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ یہودیوں کو تحفظ کے لیے اُن کی نام نہاد پناہ میں آ جانا چاہیے۔

☆ کیا آپ اِس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ دنیا میں یہود دشمنی ہے‘ مثال کے طور پر ایران میں؟

’’ایران میں یہود دشمنی ہے‘‘ بھی خالصتاً صہیونی پروپیگنڈا ہے۔ ایران میں یہودیوں کو خاص مراعات حاصل ہیں‘ حتیٰ کہ مذہب کے معاملے میں بھی۔ مثال کے طور پر‘ یہودیوں کو کدوش (مذہبی عبادت) کے لیے شراب بنانے کی اجازت ہے‘ حالانکہ شراب مسلمانوں میں مطلقاً حرام ہے۔ پس اگر کہیں بھی یہود دشمنی ہوتی ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ صہیونی اسے اپنی ظالمانہ کارروائیوں سے اُبھارتے ہیں۔

☆ اگر یہودی تنظیم اور خود کا دفاع غلط ہے‘ تو دنیا میں کہیں واقعی یہودیوں پر کوئی آفت آ جانے پر آپ کیا کریں گے؟

آپ نے عمدہ سوال کیا۔ جواب گہرا ہے:

(i) ایک یہودی کے لیے ایمان اور تورات سب سے اوّلین ترجیح ہیں۔ پھر اس کی زندگی ہے۔ ہم پورے جی جان سے اپنے عقائد کے وفادار ہیں اور محض جان بچانے کے عوض اپنے عقائد کا سودا ہرگز نہیں کریں گے۔ مشکل وقت میں صرف اُسی قدر دفاع کریں گے کہ جس قدر دفاع کرنے کی اجازت ہمیں تورات دیتی ہے‘ یعنی اپنے دفاع کے لیے اطاعت و فرماں برداری کا طریقہ اختیار کرنے کی۔

(ii) ہمارا کامل یقین ہے کہ خداوند یکتا خیر و شر کا مالک ہے۔ انسان اُس کے محض اِک پیروکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو اُس کے احکامات سے مکمل طور پر آزاد نہیں کر سکتے۔

(iii) ہم سمجھتے ہیں کہ خداوند یکتا اسرائیل (یعنی آلِ یعقوب) کا محافظ ہے۔ تاریخ نے کئی عظیم حکمران طاقتوں کا عروج و زوال دیکھا ہے لیکن یہودی اب بھی موجود ہیں‘ اور رہیں گے۔ تنظیم اور سیلف ڈیفنس کا عمل ہماری مدد نہیں کرے گا‘ جیسا کہ اُس نے اُن عظیم حکمرانوں کی مدد نہیں کی۔ صرف خداوند یکتا ہی ہماری حفاظت اور مدد کر سکتا ہے۔

(iv) خداوند یکتا جو سزائیں ہم پر لاتا ہے وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بنتے ہوئے ہمارے فائدے ہی کے لیے ہیں۔ وہ ہمیں توبہ و استغفار کے لیے بیدار کرتی ہیں۔ توبہ‘ دعا اور صدقہ جیسے اعمال خداوند یکتا کی طرف سے جاری کردہ سزاؤں کی شدت کم کرنے یا کسی حکم کو منسوخ کرنے کے حوالے سے اپنا اثر رکھتے ہیں۔

(v) کتاب مقدّس تورات کی تعلیمات کی روشنی میں خود ساختہ تنظیم یا صہیونیت سنگین ترین گناہوں میں سے ایک ہے اور اس کی سخت ترین سزا ہے۔ جلاوطنی سے سرکشی اختیار کرنا یہودیوں کے لیے باعث نجات ہرگز نہیں۔ یہ ماسوائے بدقسمتی کچھ نہیں ہے۔

(vi) اصل مسئلہ یہود مخالفت نہیں بلکہ یہ ہے کہ خداوند کی پکڑ میں لاٹھی ہے۔ پس ہمیں لاٹھی سے نہیں بلکہ لاٹھی پکڑنے والے سے مخاطب ہونا چاہیے‘ یعنی خداوند یکتا سے۔ ہمیں دعا کے ذریعے اُسی سے مخاطب ہوتے ہوئے توبہ و استغفار طلب کرنی چاہیے۔

ناطوری یہود درج ذیل بالا موقف کی حمایت و تائید میں تورات و تلمود اور دیگر کئی اہم یہودی مذہبی کتب سے دلائل کا ایک ضخیم دفتر رکھتے ہیں جو کہ ان کی آفیشل ویب سائٹ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف اُن چند اہم ترین آیات و اقوال کو پیش کیا جا رہا ہے جو اختصار کے ساتھ جامعیت کا حق بھی ادا کرتی ہیں۔

’’کتاب تلمود‘‘ میں صہیونیت کے خلاف دلائل میں سب سے اہم تین قسموں پر مبنی وہ تلمودی تصور ہے کہ ’’تلمود‘ کسوبوس ۱۱۱-اے‘‘ میں خداوند قادر مطلق نے یہودی قوم پر اِن تین وعدوں/قسموں کی پاس داری و پابندی قیامت تک کے لیے عائد کر دی ہے:

(i) یہودی ارضِ مقدسہ (فلسطین) کی جانب اب کبھی بھی کسی بھی قسم کی اجتماعی نظم و قوت کے زیر اہتمام واپسی نہیں کریں گے۔

(ii) یہودی دیگر اقوام کے خلاف ہرگز بغاوت نہیں کریں گے کہ جو انہیں پناہ دیں گی۔

(iii) دیگر اقوام یہود کا جبر و استحصال نہیں کریں گی۔

صہیونیت نے خدا سے کیے گئے اِن وعدوں/قسموں کی کس طرح خلاف ورزی کرتے ہوئے‘ بغاوت کا پرچم تھامے‘ خدا کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے‘ یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ماضی کی تاریخ اور موجودہ صورت حال اس کی عینی شاہد ہے۔

صہیونیت کے خلاف بنیادی طور پر اہم ترین دلائل کتابِ مقدس ’’تورات‘‘ میں درج احکاماتِ عشرہ (Ten Commandments) سے متعلق ہیں۔ اِن میں سے خصوصاً دو خدائی احکام صہیونی اسرائیل کی قتل و غارت گری اور خطۂ فلسطین پر قبضے اور وسائل چوری کی انتہائی مذمت کرتے ہیں۔ یہ دو بنیادی احکام تورات میں دو مختلف جگہوں پر لیکن ایک ہی معنی و مفہوم

کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ تورات کی کتاب خروج (۲۰:۱۳) میں ساتویں بنیادی حکم کے طور پر اور باب اِستثناء (۵:۱۷) میں چھٹے بنیادی حکم کے طور پر خداوند تعالیٰ بالخصوص یہودی قوم کو اور بالعموم اقوامِ عالم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ''تم خون نہ بہانا ....!''

پھر کتاب خروج (۲۰:۱۵) میں نویں بنیادی حکم کے طور پر اور باب استثناء (۵:۱۹) میں آٹھویں بنیادی حکم کے طور پر ارشاد فرماتا ہے: ''تم چوری نہ کرنا........!''

یہودیوں کی جلاوطنی سے متعلقہ آیات:

☆ ''تم اُس اچھی زمین سے ہٹادیے جاؤ گے جس کے تم وارث ہونے کے لیے آئے ہو' اور خداوند تمہیں زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں منتشر کردے گا۔'' (تورات' استثناء: ۲۸:۶۳)

☆ ''اور اگر تم میری نہیں سنو گے اور میرے احکامات کی پیروی نہ بجالاؤ گے تو میں تمہیں تمام اقوام میں منتشر کردوں گا۔'' (تورات' احبار: ۲۶:۳۳)

یہودیوں کی جلاوطنی آمدِ مسیح کے ساتھ ختم ہوگئی' اِس موضوع سے متعلقہ آیات:

☆ ''اور مسیح کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اُس کی جڑوں سے ایک شاخ پھوٹے گی۔ (۱) اور خداوند کی روح' حکمت اور فہم کی روح' مصلحت اور قدرت کی روح' معرفت اور خداوند کے خوف کی روح اُس میں قیام کرے گی ...... اور اس دن مسیحا کی حکومت قائم ہوگی جو لوگوں کے لیے ایک نشانی ہوگی۔ قومیں اس کی تلاش کریں گی اور اس کا قیام جلالی ہوگا۔ (۱۰) ...... اور اسی دن خداوند دوسری بار اپنے ہاتھ کو بڑھائے گا کہ اپنی قوم کے بقیہ (لوگوں) کو واپس لائے ...... (۱۱) اور وہ قوموں کے لیے ایک نشانی کھڑی کرے گا اور آلِ یعقوب کے جلاوطنوں کو واپس جمع کرے گا اور یہودا (یہودی قوم) کے متفرق لوگوں کو زمین کی چاروں سمتوں سے اکٹھا کرے گا۔'' (۱۲) [کتاب یسعیاہ: ۱۱(۱۔۲)]

چند اعلیٰ اخلاقی تعلیمات سے متعلقہ آیات:

☆ ''جو آپ اپنے ساتھ نہیں کرنا چاہتے وہ دوسروں کے ساتھ بھی نہ کریں۔ یہ پوری تورات ہے۔ باقی تفسیر ہے۔ جاؤ اور مطالعہ کرو۔'' (تلمود' شبوس ۳۱۔اے)

☆ ''خدا کی طرح بنیں کہ جس طرح وہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے' اُسی طرح آپ کو بھی

مہربان اور رحم دل ہونا چاہیے۔'' (تلمود' شبوس ۱۳۳۔بی)

☆ ''جس نے ایک جان بچائی اس نے پوری دنیا بچائی۔'' (کتابِ تلمود۔ مشناہ۔ سناہدرین: ۴:۵)

☆ ''اے انسان! وہ تجھ سے کیا چاہتا ہے' سوائے اِس کے کہ تو انصاف کرے' رحم دلی سے پیش آئے' اور اپنے رب کے حضور عاجزی سے رہے۔'' (کتاب تنک۔ نبییم۔ میکاہ: ۶:۸)

''ناطوری یہود'' کا صہیونیت کے حوالے سے موقف ممکنہ دیانت داری سے پیش کرنے کی طالب علمانہ سعی کے بعد میں یہ وضاحت قابلِ ذکر سمجھتا ہوں کہ اگرچہ ناطوری یہود لاکھ بار ''صہیونیت'' کو اپنے دائرہ مذہب (یعنی یہودیت) سے خارج کرلے لیکن درج ذیل حقائق تو اپنے طور پر عین موجود ہی رہیں گے:

اولاً یہ مانا کہ صہیونی یہود/صہیونیت دائرہ یہودیت سے خارج ہیں لیکن ہم چاہ کر بھی اُن کو یہودی نسل سے خارج نہیں کرسکتے۔ یہودیُ النسل ہونے کی بنا پر آخر کار اُن کی شناخت و تشخیص تو یہودیت ہی سے وابستہ رہے گی۔

دوم یہ کہ یہ حقیقت تو سبھی ناطوری یہود بھی مانتے ہیں کہ اگرچہ صہیونیت اپنی اصل میں ایک سیکولر تنظیم/تحریک تھی لیکن اب بدقسمتی سے اپنی لاعلمی/مصالحت پسندی کی وجہ سے بہت سے مذہبی یہود بھی اِس کے ساتھ وابستہ ہوچکے ہیں۔ لہٰذا اِس بنیاد پر بھی ہم یہودی تشخص سے صرفِ نظر نہیں برت سکتے۔

اِن سارے عقائد ونظریات کے تعارف کا حاصل یہ ہے کہ اصل تعریف وہ ہے جو مخالف کرے۔ یعنی اگرچہ مذہبی بنیادوں پر تو ناطوری یہود بھی اسلام کو اپنا مخالف ہی سمجھتے ہیں لیکن اِس کے باوجود دیگر تمام غیر یہودی مذاہب میں سے سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنا تاریخی وقلبی اعتبار سے خیر خواہ پاتے ہیں۔ وہ اِس بات کو عین جانتے اور مانتے ہیں کہ جب جب غیر یہودی اقوام نے ان پر ظلم کے شکنجے کستے ہوئے انہیں اپنی ہی زمینوں سے بے دخل کیا تو مسلمان ہی وہ واحد قوم تھے کہ جنہوں نے اپنی زمینوں میں نہ صرف یہودیوں کو داخلے کی اجازت دی بلکہ مذہبی آزادی اور آزادئ اظہارِ رائے وعمل کے ساتھ مکمل امن وامان کی پناہ بھی بخشی۔ کسی تفریق وامتیاز کے بغیر اپنی علم گاہوں' دکانوں اور کاروبار میں بھی شراکت داری کے

برابر مواقع فراہم کیے۔ یہ سلسلہ دوسرے خلیفہ حضرت عمر الفاروق ؓ کی فتح کردہ ریاست فلسطین (۶۳۷ء) میں داخلے کی مکمل مذہبی آزادی سے شروع ہو کر اسلامی اندلس (۷۱۱ تا ۱۴۹۲ء) کی سائنسی تجربہ گاہوں اور یونیورسٹیوں میں شراکت سے ہوتا ہوا' سلطنت عثمانیہ (۱۵۱۷ تا ۱۹۲۴ء) کی کاروباری دکانوں تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ یہی اُن تمام تاریخی حقائق کا مختصر خاکہ ہے کہ جن کی تسلیمات کی بنیاد پر آج ناطوری یہود خود کو فکری' قلبی اور تاریخی اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں دونوں کے قریب تر پاتے ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف ادوارِ حکومت کو اپنے سنہری ادوار میں شمار کرنے کے حق میں ہیں۔ لہٰذا میں بطورِ ملّتِ اسلامیہ کے ایک رکن' اِس بات کو ناطوری یہود کی نمک حلالی' خدا خوفی اور انسان دوستی کی نیک نیتی پر ہی قیاس کرتا ہوں کہ آج جب خصوصاً فلسطین اور عموماً پوری دنیا میں مسلمان ناحق مارے جا رہے ہیں تو یہ ان کے ساتھ عین اُسی طرح کھڑے ہیں جیسے قیامِ اسرائیل سے پہلے کئی صدیوں تک لاکھوں یہودی ناحق مارے جا رہے تھے تو صرف مسلمان ہی ان کے ساتھ کھڑے تھے!

میرے اِس سارے مضمون کے پس منظر میں حاصل یہ تین افکار ہیں:

☆ فلسطین کی تولیت و حاکمیت کے حوالے سے مسلم قوم کے موقف کی تائید یہودی قوم و مذہب ہی کی بنیادی کتب سے ہو سکے گی تاکہ حق مزید نکھر کر واضح ہو جائے۔

☆ شاید اسی طرح کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ اندرون اور بیرون اسرائیل یہودی عوام الناس و علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد صہیونی اسرائیلی مظالم کے شدید مخالف ہے۔ ہر رقیق القلب اور عقل سلیم کا حامل یہودی صہیونی اسرائیلی مظالم سے اعلان براءت کرنا پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس وقت ناطوری کارتا سمیت ۱۶ یہودی فعال تنظیمیں صہیونیت مخالف شمار کی جاتی ہیں۔

☆ اِس وقت پوری انسانیت کو بلا لحاظ مذہب و وطنیت اسرائیلی مظالم کے مخالف ڈٹ جانا چاہیے۔

آخری حاصل فکر یہ ہے کہ موجودہ تنازعۂ فلسطین و اسرائیل سے قبل مسیح کی تاریخ تک سرزمین مقدس کی تولیت و حاکمیت کے حوالے سے جتنے بھی چھوٹے بڑے تنازعات اور جنگیں ہوئی ہیں یا آئندہ ہوں گی' اُن میں دو بڑے ''بلاکس'' بنتے رہے ہیں۔ پہلے اِن دھڑوں کی بنیاد پر سیاسی مقاصد و مفادات سے زیادہ مذہبی زاویہ نگاہ کی فضا غالب تھی۔ اِس کی مثال حصولِ

فلسطین کے حوالے سے جنگ طالوت و جالوت (تقریباً ایک ہزار قبل مسیح) سے مسلم و صلیبی جنگوں (۱۰۹۵ء تا ۱۲۹۱ء) تک ہے۔ جنگ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے بعد سے تادمِ تحریر جو بڑے دھڑے قائم ہیں ان میں ہمیں مذہبی تشخص و تعصب سے زیادہ سیاسی و معاشی مفادات کارفرما نظر آتے ہیں۔ اعلان بالفور ۱۹۱۷ء تا تنازعہ اکتوبر ۲۰۲۳ء سبھی معاہدات و تنازعات کی گہرائی میں اصل بنیاد سیاسی و معاشی مفاد کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اعلانِ بالفور سلطنت برطانیہ کا جنگ عظیم اول کے وقت اپنے اتحادی یہودیوں سے کیے گئے ایک سیاسی معاہدے کا نتیجہ تھا جبکہ حالیہ صہیونی اسرائیل کے سابقہ ۷۶ سالہ مظالم بھی ایک سیاسی منصوبے ''دی گریٹر اسرائیل'' کی خواہش کا نتیجہ ہیں۔

تمام مسلم ممالک کے سیاسی و معاشی مفادات اسرائیلی پشت پناہ ریاستوں کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ مسلم قوم علم و اخلاق' سیاسی وحدت اور اپنے فکری نظام میں یکسوئی کے اعتبار سے یورپی قوتوں کے سامنے زوال پزیر ہو چکی ہے۔ لہٰذا تمام ۵۷ مسلم ممالک کو اپنی ایک سیاسی وحدت قائم کرتے ہوئے فلسطینی قاتل قوتوں کے مخالف عملی تدابیر اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ صرف اسی طرح ہم عالمی اشرافیہ کی فکری و معاشی غلامی سے نکل کر حقیقی معنوں میں مکمل آزادی و خودمختاری حاصل کرتے ہوئے مظلوم انسانیت کی مسیحائی کا دم بھر سکتے ہیں۔

❁❁❁

ماہنامہ ''میثاق'' لاہور

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قرآنی فکر کا ترجمان' ایک علمی' دعوتی اور تربیتی رسالہ!

صرف آپ ہی کے زیرِ مطالعہ کیوں؟

وقت اور حالات کی اشد ضرورت ہے کہ اسے ایک مشن سمجھ کر واعظین و مربیّن' تعلیمی اداروں' لائبریریوں' مکتبہ جات اور ہر گھر و فرد اور خاص طور پر الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر اپنے دوست' احباب اور اعزّہ واقرباء تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا!

Sep. 2024
Vol.73

Regd. CPL No.115
No.9

Monthly **Meesaq** Lahore

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ ۹ ماہ)

عرصہ 42 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیم

مضامینِ تدریس

پارٹ ۱ (سالِ اوّل) برائے مرد وخواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرامر (صرف ونحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری ولغوی توضیحات)
- دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری وعملی رہنمائی
- سیرت وشمائل النبی ﷺ
- مطالعہِ حدیث واصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سال دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان وادب
- اصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

☆ رجسٹریشن یکم رمضان سے شروع ہے۔ ☆ انٹرویو 02 ستمبر
آغاز کلاسز 03 ستمبر 2024ء (ان شاء اللہ)

ایام تدریس: پیر تا جمعہ

اوقات تدریس: صبح 8:15 بجے تا 12:50

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی صرف مرد حضرات کے لئے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔ ہاسٹل میں پہلے آیئے پہلے پایئے کے اصول پر رہائش دی جاتی ہے لہذہ خواہشمند حضرات پہلے سے رجسٹریشن کروالیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز — قرآن اکیڈمی
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org
www.tanzeem.org

زیر انتظام: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) — مزید تفصیلات کے لئے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3